ظالم یا ہمدرد
اشتیاق احمد

سیریز
609
محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
ظالم ہمدرد
اشتیاق احمد

ناشر : طاہر ایس ملک
تزئین : محمد سعید نامدار
سرورق : انداز

اس ناول کے تمام واقعات، مقامات اور کردار فرضی ہیں۔ کسی قسم کی مشابہت یا مطابقت محض اتفاقی امر ہوگی جس کے لیے مصنف یا پبلشر ذمہ دار نہ ہوں گے۔

مطبوعاتِ اشتیاق
۱۱/۹ نصیر آباد مسلم پورہ، ساندہ کلاں لاہور
فون : ۷۲۴۶۳۵۶ — ۷۱۱۲۹۶۹۔

حدیث شریف

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے، ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کون سا شخص افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہاد کرنے والا اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے۔ اس نے کہا، پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، پھر وہ آدمی جو کسی ایک گھاٹی میں اللہ کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی بُرائی سے بچاتا ہے —

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۶۶، حدیث نمبر ۸۷۱

دو باتیں

السلامُ علیکم!

اسلم آغا — میرے بہت مہربان، بہت بڑے محسن ہیں — ایک بار ایک بہت بڑا احسان انھوں نے مجھ پر کیا تھا — سرکاری افسر ہیں — تعلق پولیس کے محکمے سے ہے — اس مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے۔ آپ ایک ناول پولیس مقابلے پر بھی لکھیں — میرے منہ سے فوراً نکل گیا — پولیس مقابلے تو عام طور پر فرضی ہوتے ہیں — کمرے میں موجود ملاقاتیوں نے ایک قہقہہ لگایا — لیکن اسلم آغا صاحب حد درجے سنجیدہ لہجے میں کہنے لگے — ہاں فرضی بھی ہوتے ہیں — اصلی بھی — بہت سے گھناؤنے مجرم — ذرا ذرا سی قانونی باریکیوں سے فائدہ اُٹھا کر بری ہو جاتے ہیں، دندناتے پھرتے ہیں یا پھر رشوت دے کر سزا سے بچ جاتے ہیں اور معاشرے میں فساد مچاتے پھرتے ہیں — پھر ایک بار نہیں، بار بار عدالتوں سے بری ہوتے ہیں — ایسے مجرموں کا آخر پولیس کیا کرے — وہ بھی تو حد درجے تنگ آ جاتی ہے — لہٰذا کچھ پولیس مقابلے واقعی فرضی ہوتے ہیں — اور کچھ اصلی — دیکھنا یہ ہے کہ آپ اس موضوع پر کیا لکھتے ہیں اور کیسے لکھتے ہیں —

میں نے حامی بھر لی — میں اپنے مہربان دوستوں کا احترام اسی طرح کیا کرتا ہوں — اسلم آغا صاحب بھی یہ دو باتیں ضرور پڑھیں گے — اس لیے کہ ان کے بچے ناول باقاعدگی سے پڑھتے ہیں، لہٰذا دو باتیں میں ان کا نام پڑھ کر فوراً ناول ان کے سامنے رکھ دیں گے — یوں بھی آغا صاحب ناول دیکھتے رہتے ہیں، لہٰذا یہ ناول لکھ کر میں نے ان کی خواہش کو کس حد تک پورا کیا ہے — یہ وہی مجھے بتائیں گے — چلیے آپ سب بھی بتا دیں — بتا دینے میں حرج بھی کیا ہے —

شکریہ!

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ :

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ـــــ
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ـــــ
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ـــــ
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ـــــ
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص :

اشتیاق احمد

کیا!!!

"یار جمشید! ذرا اس طرف دیکھنا۔ قریباً دس آدمی مل کر ایک آدمی کو مار رہے ہیں۔" خان رحمان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

انھوں نے اپنے دائیں طرف درختوں کے درمیان دیکھا تو واقعی ایسا منظر نظر آیا :

"ہو سکتا ہے، یہ کھیل کھیل رہے ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن پروفیسر صاحب۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چاقو ہیں، ان کے ارادے نیک نہیں لگتے۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے انکل۔" فرزانہ کانپ کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لیتے ہیں۔" یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے اپنی گاڑی سڑک سے نیچے اُتار دی اور پھر تیزی سے اس سمت میں بڑھنے لگے :

"اس کا مطلب ہے۔ تفریح میں بھنگ پڑ گئی۔" فاروق نے

منہ بنایا۔

"تفریح میں بھنگ! یہ کیا بات ہوئی۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہو یہ حضرت رنگ میں بھنگ کہنا چاہتے تھے۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں — میں تفریح میں بھنگ ہی کہنا چاہتا تھا۔ گھر سے نکلتے وقت ہم نے سچے دل سے ارادہ کیا تھا کہ اس بار صرف اور صرف تفریح کریں گے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی — یہ بھی تفریح ہی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں اور کیا — کسی مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور تفریح کی تفریح۔" فرزانہ خوش ہو گئی۔

"تو پھر تم اسے خونی تفریح کہو نا۔" محمود مسکرایا۔

"خ — خونی تفریح — ارے باپ رے — یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہو گا — ہم نے کوئی ناولوں کے ناموں کا تمہیں ٹھیکا نہیں دے رکھا — جس طرح فرزانہ کو ترکیبیں بتانے کا — مجھے دروازے کھولنے کا — اور تمہیں پائپوں پر چڑھنے کا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"کوئی بات نہیں — ایک دن یہ ٹھیکا مجھے مل کر رہے گا۔ ارے — وہ آخر کار ان کے گھیرے میں آ گیا اور اب حملہ آور

اس کے چاروں طرف گھوم رہے ہیں — اُف مالک اس کے چہرے پر کس قدر خوف ہے۔"

"ہاں! واقعی۔" انسپکٹر جمشید بے چین ہو گئے — کیونکہ ابھی درمیانی فاصلہ کافی تھا۔

"اب کیا کریں۔" محمود بولا۔

"ابا جان — ہارن بجا دیں — ان کی توجہ ہماری طرف ہو جائے گی۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں جمشید — یہ ٹھیک رہے گا۔"

"داغ دی ایک عدد ترکیب۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اور پھر انھوں نے زور زور سے ہارن دینا شروع کر دیا، لیکن حملہ آوروں میں سے ایک نے بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا —

"وہ لوگ تو بس اس پر نظریں — ارے باپ رے — مارا گیا بے چارہ۔"

اسی وقت ان سب نے اپنے اپنے چاقو اس پر پھینک مارے تھے — تمام چاقو اس کے جسم میں پیوست ہو گئے اور وہ فوراً زمین پر گر پڑا — اس کے ساتھ ہی حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے درختوں کے درمیان گم ہو گئے — وہ بھاگے بھی تھے مختلف سمتوں میں —

انسپکٹر جمشید نے جس وقت اپنی گاڑی لاش کے پاس روکی — حملہ آور دُور دُور تک نظر نہ آئے :

" افسوس !" انسپکٹر جمشید بولے ۔

" اب ہم کیا کریں ؟"

" اب جو ہونا تھا ۔ ہو چکا ۔ ہم مظلوم کی مدد نہیں کر سکے ۔ لہٰذا اپنی تفریح پر تو روانہ ہو سکتے ہیں ۔" فاروق بولا ۔

" دماغ تو نہیں چل گیا ۔ ایک انسان کو قتل کیا گیا ہے ، روئے زمین پر اس سے بڑا جُرم کوئی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی کسی مسلمان کے ناحق قتل کو معاف نہیں فرمائیں گے ۔ لہٰذا ہم ان حملہ آوروں تک پہنچیں گے ۔"

" لیکن پہلے یہ تو دیکھ لیں ۔ یہ زندہ تو نہیں ہے ۔"

نیچے اُتر کر انھوں نے اسے دیکھا ۔ اس کے جسم سے کئی جگہوں سے خون ابھی تک رِس رہا تھا ، اور وہ بالکل ساکت ہو چکا تھا ۔

" اسے اسی طرح رہنے دیتے ہیں ۔ اور ہم حملہ آوروں کے تعاقب میں چلتے ہیں ۔" محمود نے کہا ۔

" ہاں ! یہ ٹھیک رہے گا ۔ آس پاس ضرور کوئی گاؤں ہے ، یہ شخص اس گاؤں کا لگتا ہے ۔"

اب ان کی گاڑی اس سمت میں چل پڑی ۔ جس طرف حملہ آوروں

نے دوڑ لگائی تھی ۔ کئی کلومیٹر چلنے کے بعد انھیں گاؤں کے آثار نظر آئے ۔ گاؤں میں ہر طرف امن اور سکون محسوس ہوا ۔ کوئی ہل چل نہیں تھی ۔ کسی گڑ بڑ کے امکانات نہیں تھے ۔ گاؤں کا نام انھیں گاؤں سے باہر ہی ایک پُرانے بورڈ پر لکھا نظر آ گیا ۔ نام تھا شو گاؤں ۔ وُہ جانتے تھے ۔ شو گاؤں ایک سرحدی گاؤں ہے ۔ جُونہی کار گاؤں میں داخل ہوئی ۔ کچھ لوگ ان کے نزدیک آ گئے :

" پانی وانی پینا ہے کیا بابو لوگ ؟" ایک بوڑھے نے کہا ۔

" جی نہیں ۔ پانی ہمارے پاس ہے ۔ آپ کے گاؤں کا ایک آدمی چند حملہ آوروں کے ہاتھوں مارا گیا ہے ۔ اس کی لاش یہاں سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر پڑی ہے ۔ گاؤں کے لوگ وہاں چل کر اسے دیکھ لیں اور جو کارروائی کرنی ہے ، کریں ۔ یہاں پولیس چوکی تو ہو گی ؟"

" جی ۔ ہاں ہے ۔ آپ نے اچھی خبر نہیں سنائی ۔"

" لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ۔"

" چلیے ، ہم وہاں تک چلنے کے لیے تیار ہیں ۔ آپ آگے آگے چلیں ۔ ہم پیچھے پیچھے آتے ہیں ۔"

" ٹھیک ہے ۔"

انھوں نے کار موڑ لی ۔ اور اس طرح یہ قافلہ اس

جگہ پہنچا — جہاں لاش گری تھی — وہ یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ اب وہاں لاش کا نام و نشان تک نہیں تھا — بلکہ خون تک نظر نہیں آ رہا تھا — خون کو بھی زمین کدال سے کھود کر غائب کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ اس جگہ قطعاً کوئی ایسے آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ کچھ دیر پہلے وہاں ایک ہولناک واردات ہوئی تھی —

O

اب گاؤں کے لوگ انھیں گھور رہے تھے — آخر اس بوڑھے نے کہا جس نے ان سے پانی وانی کے لیے پوچھا تھا:

"کیا آپ کا اور ہمارا کوئی مذاق کا رشتہ ہے؟"

"نہیں"، انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں بولے۔

"تب پھر — یہاں تو کوئی لاش نہیں ہے۔"

"لاش یہاں نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہاں قتل کی واردات نہیں ہوئی — ہم چھے انسانوں نے اپنی آنکھوں سے واردات ہوتے ہوئے دیکھی ہے — ہم تو اس بے چارے کی مدد کے لیے دوڑے تھے — کیونکہ یہ منظر ہم نے سڑک پر سے دیکھا تھا — لیکن آپ لوگ دیکھ

سکتے ہیں — سڑک اور اس جگہ کا درمیانی فاصلہ کافی ہے۔ جب ہم یہاں پہنچے — حملہ آور اس غریب کے جسم میں اپنے چاقو اُتار چکے تھے — اور پھر آپ لوگ یہ بھی تو سوچیں — ہم یہاں سے آپ کے گاؤں تک گئے اور آپ لوگوں کو بُلا کر یہاں تک لائے — اس مذاق سے آخر ہمیں کتنا فائدہ ہوا ہو گا؟"

گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے — شاید ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا — آخر انسپکٹر جمشید نے پھر کہا:

"ہمیں دیکھ کر حملہ آور بھاگ نکلے تھے — ہم نے یہ خیال کیا کہ وہ اپنے گاؤں کی طرف دوڑ گئے ہیں، لیکن ہمارا یہ خیال درست نہیں تھا — وہ کچھ فاصلے تک تو دوڑتے چلے گئے تھے، پھر درختوں کے پیچھے چھپ گئے اور جب ہم آگے نکل گئے تو وہ پلٹے اور پھر انھوں نے لاش غائب کر دی۔"

"ہوں! ضرور ایسا ہی ہے — لیکن اب ہم کیا کریں؟"

"پہلے تو میں آپ لوگوں کو یقین دلاؤں گا کہ اس جگہ قتل کی واردات ہوئی ہے۔"

"یہ کہہ کر انھوں نے ایک درخت سے شاخ توڑی اور اس جگہ سے مٹی ہٹانا شروع کی — جس جگہ لاش گری تھی۔

اور اب کدال سے مٹی کھودنے کے نشانات موجود تھے ۔ جلد ہی خون آلود مٹی ان سب کو نظر آنے لگی ۔

" اب بتائیں ۔ یہ کیا ہے ۔ اگر یہاں قتل کی واردات نہیں ہوئی تو خون آلود مٹی کا یہاں کیا کام"۔

" یہ بات تو خیر اب ہم نے مان لی ہے کہ یہاں واردات ہوئی ہے ۔ لیکن حملہ آور لاش اٹھا کر لے گئے ہیں ۔ اب ہم کیا کریں"؟

" سب سے پہلے تو آپ لوگ یہ معلوم کریں ۔ مرنے والا تھا کون ۔ جب آپ گاؤں کے ہر گھر کا جائزہ لیں گے تو یہ بات فوراً معلوم ہو جائے گی ۔ بس پھر آپ پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں"۔

" تو کیا آپ جا رہے ہیں"؟

" نہیں ! اب تو ہم قاتل کی گرفتاری تک نہیں جا سکیں گے"۔

" میں نے کہا تھا نا ۔ پڑ گئی تفریح میں جھنگ"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

" آپ کا بہت بہت شکریہ ۔ چلیے پھر"۔ بوڑھے نے کہا۔

اور وہ پھر گاؤں میں آئے ۔ انھیں نمبردار کے مکان میں بٹھایا گیا ۔ فوراً ان کے آگے چھاچھ لا کر رکھی گئی ۔ چھاچھ کو دیکھ کر محمود ، فاروق اور فرزانہ نے برے برے منہ بنائے ،

لیکن جب جی نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں چھاچھ پینا پڑی تو بہت مزا آیا ۔ اور وہ دو دو گلاس پی گئے ۔

" بھئی واہ ۔ عجیب مزے دار چیز ہے"۔

" دیہاتوں میں تو ایسی ہی قدرتی چیزیں ملیں گی"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

ادھر گاؤں کے لوگ ہر طرف پھیل گئے ۔ اور ایک ایک کا دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھنے لگے کہ ان کے گھر کا کوئی فرد غائب تو نہیں ۔

ایک گھنٹے بعد وہ لوگ ان کے پاس لوٹ آئے ۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے :

" نہیں جناب ! ہمارے گاؤں کا کوئی آدمی کم نہیں ہے، اتفاق سے اس وقت کوئی باہر بھی نہیں گیا ہوا"۔

" اوہ ! اس کا مطلب ہے ۔ مرنے والا آپ کے گاؤں کا نہیں تھا"۔ انھوں نے کہا۔

" جی ہاں ! لہٰذا ہمیں کیا ضرورت ہے رپورٹ درج کرانے کی"۔

" ٹھیک ہے ۔ لیکن ہم رپورٹ درج کرائیں ۔ کیونکہ وہ جس گاؤں کا آدمی بھی ہے ۔ وہاں کے لوگ آخر اس کی تلاش میں اس طرف بھی آئیں گے"۔

دیہاتی سر ہلانے لگے ۔ پھر وہ پولیس چوکی پہنچے ۔ وہاں

ایک حوالدار بیٹھا اونگھ رہا تھا —

"آپ ذرا اپنی توجہ ہماری طرف کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

"جج — جی — جی جی جج جی۔" وہ بڑبڑایا۔

"ایک عدد رپورٹ لکھ لیں — آپ کے علاقے میں ایک واردات ہوگئی ہے۔"

"وا — وار — وات دار۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

"وات دار نہیں — واردات — قتل کی واردات۔"

"ارے باپ رے۔" وہ بوکھلا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر جلدی سے بیٹھ گیا:

"کک — کون — کون قتل ہوگیا — کس نے کس کو قتل کیا ہے، میں دونوں کو چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"دونوں کون؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا — کیا دو نہیں ہوتے؟"

"اوہ ہاں واقعی — خیر آپ رپورٹ لکھ لیں — تاکہ ہم تو آگے جا سکیں۔"

"آگے — آگے کہاں؟"

"ہم سڑک پر سفر کر رہے تھے کہ جنگل میں ہم نے وہ خونی منظر دیکھا — آٹھ دس آدمی ایک شخص کو قتل کرنے

کی کوشش کر رہے تھے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے یہ کام کر ڈالا — ہم نزدیک پہنچے تو بھاگ نکلے۔"

"یہ آپ نے کیا بے وقوفی کی؟" حوالدار نے جھلّا کر کہا۔

"آپ کا اشارہ کون سی بے وقوفی کی طرف ہے؟"

"آپ ان کی طرف کیوں دوڑے — اگر وہ آپ لوگوں کو بھی قتل کر دیتے؟"

"جی وہ — بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"کک — کیا مطلب؟ انکار کر دیا تھا۔"

"آپ ایسا کریں کہ رپورٹ لکھ لیں — جو ہم لکھوانا چاہتے ہیں، اس لیے کہ ہمیں پھر آگے بھی جانا ہے۔"

"اچھا لکھوائیں۔"

انھوں نے رپورٹ لکھوا دی، پھر اُٹھ کھڑے ہوئے:

"ارے ارے — چلے کہاں — ابھی تو آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ لاش کہاں ہے؟"

"بھئی لکھوا تو دیا — کہ لاش کو قاتلوں نے غائب کر دیا۔"

"لیکن اب ہم لاش کو کس طرح تلاش کریں — نہیں جناب — یہ نہیں ہو سکتا۔"

"کک — کیا نہیں ہو سکتا؟"

"آپ اس وقت تک نہیں جا سکتے، جب تک کہ لاش برآمد نہ ہو جائے — اور اس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ لاش کس کی ہے۔"

"اس میں ہمارا کیا قصور ہے جناب — آخر آپ ہمیں کیسے روک سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیوں — روک کیوں نہیں سکتا — میں تو آپ کو حوالات میں بند تک کر سکتا ہوں — آخر یہ ایک قتل کا معاملہ ہے — کیا خبر — خود آپ لوگوں نے قتل کیا ہو۔"

"سب سے پہلے آپ لاش برآمد کریں — پھر یہ معلوم کریں کہ لاش ہے کس کی — اس کے بعد ہمارا اس لاش سے کوئی تعلق معلوم کریں۔"

"اس کی ضرورت نہیں — تعلق ہونا ضروری نہیں — نقدی وغیرہ لوٹنے کے لیے بھی تو آج کل قتل کر دیا جاتا ہے — کیا خبر مقتول اپنی بہن کی شادی کے زیورات خریدنے جا رہا ہو اور آپ نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہو اور رقم لوٹ لی ہو۔"

"اس صورت میں آپ کو رقم برآمد کرنا ہو گی — کیونکہ قتل ہوئے ابھی ایک گھنٹا گزرا ہو گا اور ہم لوگ اس وقت سے یہیں ہیں۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے — آپ لوگوں نے رقم کہیں

چھپا دی ہو گی۔"

"پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ اس کے پاس کوئی بڑی رقم تھی۔"

"میں کر لوں گا ثابت — مجھے پڑھانے کی کوشش نہ کریں۔"

عین اس وقت ایک بڑی جیپ چوکی کے سامنے آ کر رُکی — حوالدار زور سے چونکا اور انھیں نظر انداز کر کے دروازے کی طرف دوڑا — جیپ سے چند ہٹے کٹے آدمی اترے — حوالدار نے انھیں جھک کر سلام کیا — انھوں نے جیسے اس کی طرف دیکھا نہیں — اندر آ کر پہلے کرسیوں پر بیٹھ گئے — پھر حوالدار کی طرف نظریں اٹھائیں، وہ ان کے سامنے غلاموں کی طرح کھڑا تھا:

"فرمائیں — کاشانی صاحبان — کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمارا ایک ساتھی غائب ہے — اسے ضرور کسی نے قتل کر دیا ہے — ہمیں اس کے قاتل چاہییں۔"

"قا — قاتل — یہ کیا مشکل ہے — یہ بیٹھے ہیں اس کے قاتل۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب — یہ کون لوگ ہیں؟"

"آپ کے آدمی کے قاتل — یہ یہی خبر لے کر آئے تھے۔"

"بہت خوب — آج کل بہت تیز ہوتے جا رہے ہو حوالدار — خوب رنگے ہاتھوں پکڑا ان لوگوں کو — مزا آ گیا — ارے مگر تم نے انھیں حوالات میں بند کیوں نہیں کیا — اس طرح تو

یہ فرار ہو جائیں گے۔"

"بس — ابھی یہ کام کرتا ہوں — آپ فکر نہ کریں۔ اور ہاں — آپ کے اس آدمی کا نام کیا تھا؟"

"ظہورا موچی۔" اس نے کہا۔

"کیا!!!" حوالدار بہت زور سے اچھلا — اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف دوڑ گیا —

لے جاؤ انھیں

چند لمحے وہ سکتے کے عالم میں ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر بوکھلائی ہوئی آواز میں اس نے کہا:

"کیا واقعی — ظہورا موچی کو قتل کیا گیا ہے۔"

"چونکہ غائب وہی ہے، اس لیے ہم اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔"

"آپ چلیں کاشانی صاحبان — میں انھیں حوالات میں بند کیے دیتا ہوں — آپ کو تو بس اس کے قاتل چاہییں نا — سو آپ کو قاتل مل گئے۔"

"ہاں ٹھیک ہے — ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" ان میں سے ایک نے خوش ہو کر کہا۔

"کاشانی صاحبان کو میرا سلام دیجیے گا اور میری طرف سے کہہ دیجیے گا کہ ہر کام ان کی منشا کے مطابق ہو گا۔"

"تو پھر تم بھی حویلی میں آ کر اپنا انعام لے جانا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بادشاہ۔" وہ بولا۔

وہ چھوں چھاں کرتے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

"چلو بھئی قسمت کے مارو — تم لوگ تو بلاوجہ پھنس گئے۔ کیا ضرورت تھی کسی کے معاملے میں پڑنے کی — ارے اگر کوئی قتل ہو گیا تھا تو اپنی راہ لیتے — اب چکھو مزا ٹانگ اڑانے کا۔" اس نے منہ بنا کر کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"وہ تو ہم چکھ ہی لیں گے — لیکن بھئی — آپ ظہورا موچی کا نام سن کر خوف میں کیوں مبتلا ہو گئے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ظہورا موچی میرا چچازاد بھائی ہے — اور اگر وہ واقعی قتل ہو گیا ہے تو میں یہی لفظ کہوں گا — بھائی تھا — جب یہ لوگ کسی کو قتل کر دیتے ہیں نا — تو پھر اس کے قاتل پکڑوانے کی ضد کرتے ہیں اور ہمیں کسی نہ کسی بے گناہ کو بطور قاتل پکڑنا پڑتا ہے — یہ اور بات ہے کہ عدالت میں وہ بے گناہ ثابت ہو جائے، لیکن وقتی طور پر تو وہ بے چارہ پھنس جاتا ہے — پھر عدالتوں میں تاریخیں بھگتو — یہ کرو، وہ کرو — سارا گھرانہ اس بے چارے کا تو تباہ ہو جاتا ہے — آپ سمجھیں — قتل کیس کتنا خوف ناک معاملہ ہے — مگر آپ تو اب سمجھیں گے، اب اُٹھیے، آپ کو حوالات تک پہنچانا ہے۔"

"لیکن جناب — جب ہم نے یہ جرم نہیں کیا اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ نہیں کیا تو پھر آخر آپ کیوں ہمیں حوالات میں بند کر رہے ہیں — یہ کیا انصاف ہوا؟" محمود نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"انصاف۔" اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور زور سے ہنسا، پھر یک دم سنجیدہ ہو کر بولا:

"آپ سمجھیں — انصاف یہاں کہاں؟"

"لیکن اب تو ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"شہروں میں ہو گئی ہو گی — یہاں تو حکومت انھی لوگوں کی ہے — جو دو سو سال سے حکمران چلے آ رہے ہیں — یہ جس کو چاہیں قتل کر دیں — جس کو چاہیں، اِدھر سے اُدھر کر دیں — ان کا کچھ نہیں بگڑتا — اُلٹا یہ اس کا سب کچھ بگاڑ دیتے ہیں جو ان کے راستے میں بھی آنے کی جرأت کر بیٹھے۔"

"لیکن ظہورا موچی تو آپ کا چچازاد بھائی ہے — اور یہ لوگ اس کے قتل کی خبر لے کر آئے تھے — آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ انھی لوگوں نے اسے قتل کیا ہے — تب پھر — آپ انھیں کیوں گرفتار نہیں کرتے — کیا آپ کو اپنے چچازاد بھائی سے اتنا بھی پیار نہیں تھا۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم

میں کہتے چلے گئے۔

"بات یہاں پیار کی نہیں — اپنی جان بچانے کی تھی — میں ظہورا موچی سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاں ملازمت نہ کرو — شہر جا کر چاہے کسی ہوٹل میں بیراگیری کر لو — یہ لوگ بہت ظالم ہیں — اپنے کسی ملازم کی ذرا سی غلطی بھی معاف نہیں کرتے — لیکن اس نے میری ایک نہ سنی — اور ان کی ملازمت کر لی — ایک دن پہلے اس نے بتایا تھا کہ اس سے ایک بہت زبردست غلطی ہو گئی ہے — یہ سنتے ہی میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ فوراً فرار ہو جائے — یہاں سے سیدھا دارالحکومت چلا جائے — بعد میں اس کے بیوی بچوں کو میں اس تک پہنچا دوں گا — اس نے فرار ہونے کی تیاری بھی مکمل کر لی تھی — اور شاید آج اس وقت فرار ہو رہا تھا کہ پکڑا گیا۔"

"ہوں! اور وہ خوف ناک غلطی کیا تھی، جو اس سے ہوئی؟"

"یہ بات اس نے مجھے نہیں بتائی تھی۔"

"یہ برا ہوا — خیر ہم ان لوگوں کو دیکھ لیں گے — ان کی حویلی کہاں ہے؟"

"کیا کہا — آپ دیکھ لیں گے — یہ تو اپنی موت کو آواز دینے والی بات ہو گی اور پھر آپ لوگوں کو تو میں ابھی گرفتار

کر رہا ہوں — گرفتار نہ کروں گا تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اتروا دیں گے۔"

"ہوں — یہ کاشانی صاحب ہیں کون؟"

"اس پورے گاؤں کے مالک — گاؤں کے چاروں طرف جتنی زمینیں ہیں، سب کی سب ان کی ہیں — دولت ان کے پاس بے تحاشہ ہے — لوگوں کا کہنا ہے — زمینوں سے تو اتنی دولت ہرگز جمع نہیں ہو سکتی — ضرور کسی اور ذریعے سے کماتے ہیں — بہرحال یہ راز بھی آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا — یہ لوگ اپنے ملازموں کو غلاموں کی طرح رکھتے ہیں — ان کی کوئی غلطی برداشت نہیں کرتے — ادھر کسی سے غلطی ہوئی، ادھر اس کی جان گئی۔"

"تب پھر لوگ ان کے پاس ملازمت کیوں کرتے ہیں؟"

"اور کیا کریں — زندہ رہنے کے لیے یا تو ان کی ملازمت کرنا ہو گی — یا پھر اپنے خاندان کو چھوڑ کر یہاں سے غائب ہونا ہو گا۔"

"اور — یہ لوگ ملازمت کر لیتے ہیں، یعنی غلامی قبول کر لیتے ہیں۔" وہ بولے۔

"ہاں! اب آپ مہربانی فرما کر خود اٹھ کر حوالات تک چلیں۔"

"لیکن بھئی ہمارا جرم کیا ہے؟"

"میری زندگی کا سوال ہے جناب — اتنا تو سوچیں۔"

" اور اس طرح ہم پر جو آپ قتل کا مقدمہ چلائیں گے"۔

" تو اس طرح آپ کو کون سا سزا ہو جائے گی۔ باعزت بری ہو جائیں گے"۔

" آپ ہمیں حویلی کا پتا بتائیں ۔۔ وہ آپ سے پوچھیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم فرار ہو گئے"۔

" فرار ہو گئے ۔۔ لیکن آپ تو یہیں ہیں ، فرار کہاں ہوئے ہیں"۔ اس نے کہا۔

" اچھا خیر ۔۔ ہم باقاعدہ فرار ہو جاتے ہیں ۔۔ تاکہ آپ پر کوئی الزام نہ آئے ۔۔ حویلی کا بھی ہم خود پتا کر لیں گے ، چلیے ۔۔ کہاں ہے ، آپ کی حوالات"؟

" ارے ارے ۔۔ جمشید ۔۔ یہ تم کیا کر رہے ہو"؟ خان رحمان گھبرا گئے۔

" کک ۔۔ کیا کر رہا ہوں"؟

" آخر ہمیں حوالات میں بند ہونے کی کیا ضرورت ہے"؟

" کیوں جناب ! اگر میں آپ لوگوں کو واقعی قتل کے جرم میں پکڑ کر بند کر دوں تو آپ کیا کر لیں گے"۔ حوالدار نے منہ بنایا۔

" آپ ہمیں بند نہیں کر سکتے ۔۔ یہ ہماری شرافت ہے کہ خود بخود بند ہو رہے ہیں"۔ خان رحمان نے کہا۔

" اچھا ۔۔ تو پھر میں آپ لوگوں کو اپنی طاقت کے ذریعے بند کر کے دکھاؤں"۔

" خیر ۔۔ آپ یہ بھی کر لیں ۔۔ ہم تو اس وقت ہیں ہی تفریح کے موڈ میں"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

" پتا نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ۔۔ بہرحال میں بلاوجہ جھگڑا مول نہیں لوں گا ۔۔ آپ چلیں حوالات میں"۔

" نہیں ! آپ پہلے ہمیں زبردستی حوالات میں بند کر کے دکھا دیں ۔۔ اگر آپ نہ کر سکے تو پھر ہم خود بند ہو جائیں گے"۔

" ارے ۔۔ ادھر آؤ تم سب ۔۔ یہ لوگ نہ جانے خود کو سمجھتے کیا ہیں"۔

فوراً ہی بارہ کے قریب کانسٹیبل وہاں آ گئے ۔ دو دو نے ایک ایک کو پکڑ کر حوالات کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ لیکن کھینچ نہ سکے ۔۔ پروفیسر داؤد کے بارے میں انسپکٹر جمشید کو خیال تھا کہ وہ کہیں اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں ۔۔ لہٰذا انھوں نے ایک بازو سے انھیں پکڑ لیا تھا۔

" بھئی آپ لوگ یوں ہمیں حوالات میں بند نہیں کر سکیں گے ۔۔ اچھا یوں کریں ۔۔ آپ اپنے ان بارہ کانسٹیبلوں کو حکم دیں کہ صرف مجھے اٹھا کر حوالات میں پہنچا دیں ۔۔ میرے ساتھی خود بخود حوالات میں آ جائیں گے"۔

"بہت خوب! یہ کیا مشکل ہے — بارہ آدمی آپ کو بہت آسانی سے اٹھا لیں گے۔" حوالدار نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر بارہ آدمیوں نے انھیں اٹھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا، لیکن انھیں ہلا بھی نہ سکے — جب تھک ہار چکے تو انسپکٹر جمشید بولے:

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"حیرت ہے، بارہ آدمی مل کر آپ کو نہیں اٹھا سکے — خیر — ہم ہار مان لیتے ہیں — آپ مہربانی فرما کر حوالات میں چلے چلیے۔" حوالدار بولا۔

"یہ لیجیے۔" وہ بولے۔

وہ حوالات میں آ گئے — کانسٹیبل نے تالا لگا دیا — لیکن ایک منٹ بعد ہی وہ حوالدار کے کمرے میں داخل ہوئے — وہ رجسٹر میں کچھ لکھ رہا تھا۔

"کہیے کیسے مزاج ہیں؟" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ارے یہ کیا — اس احمق نے تالا کھول دیا؟"

"جی نہیں — تالا بدستور لگا ہوا ہے اور اب ہم جا رہے ہیں — آپ اپنے کاشانی صاحبان سے کہ دیجیے گا کہ ہم حوالات سے فرار ہو گئے ہیں — کٹی ہوئی سلاخیں دکھا دیجیے گا۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھا۔

وہ چوکی سے باہر نکل آئے اور گاڑی کی طرف بڑھنے لگے، ایک دیہاتی کو روک کر انھوں نے پوچھا:

"کیا آپ بتا سکتے ہیں — کاشانیوں کی حویلی کہاں ہے؟"

"کک — کک — کاشانیوں کی حویلی — آپ لوگ وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"بس کچھ کام ہے۔"

"نہ جائیں صاحب — نہ جائیں — وہ لوگ تو بات بات پر گولی چلا دیتے ہیں — ایسے ظالم لوگ اس روئے زمین پر شاید ہی ملیں۔"

"لیکن ہمیں تو وہاں جانا ہی ہو گا — آپ بتا دیں۔"

"سیدھے چلے جائیں — آگے جا کر ایک بہت اونچا ٹیلا نظر آئے گا — بہت طول اور عرض میں پھیلا ہوا ٹیلا — بس اسی ٹیلے پر حویلی ہے۔"

"اچھا بہت بہت شکریہ۔"

"لیکن میں آپ کو پھر مشورہ دوں گا کہ آپ ادھر نہ جائیں۔"

"ہمیں افسوس ہے — آپ کے اس مشورے پر عمل نہیں کر سکتے۔"

"عجیب سر پھرے ہیں آپ لوگ — اپنی موت کو خود آواز دے رہے ہیں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

وہ مسکرا کر آگے بڑھنے لگے — کچھ دیر تک چلنے کے بعد

انھیں ٹیلا نظر آنے لگا۔ لوگ انھیں گھور رہے تھے۔ اور جب انھوں نے ان کی گاڑی کو ٹیلے کی طرف بڑھتے دیکھا تو گھورنے کی رفتار اور بڑھ گئی ۔۔۔ آخر وہ حویلی کے سامنے جا کر رک گئے۔ حویلی کا دروازہ قلعہ نما تھا ۔۔ اس کے دونوں طرف چار مسلح پہرے دار کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں، حویلی کی فصیل پر بھی چاروں طرف آدمی رائفلیں لیے کھڑے تھے؛

"ہمیں کاشانی صاحب سے ملنا ہے۔"

پہرے داروں نے انھیں چونک کر دیکھا:

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کیوں! اس میں دماغ چلنے کی کیا بات ہے۔"

"تم جیسے لوگوں سے ہمارے کاشانی صاحب ملیں گے۔ چلتے پھرتے نظر آؤ ۔ کہیں تمھارے لیے گولی کا حکم نہ ہو جائے۔"

"تمھارے کاشانی صاحب جیسے ہمارے جوتے صاف کرتے ہیں، ان سے کہو ۔ نواب خان رحمان آئے۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا کہا ۔۔ نواب خان رحمان ۔ جاؤ جاؤ ۔۔ پتا نہیں کتنے نواب ہمارے کاشانیوں کے آگے دم ہلاتے پھرتے ہیں۔"

"تو یوں کہو نا ۔ تم لوگ کتوں کو نواب کہتے ہو۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"تم لوگ عقل سے پیدل لگتے ہو ۔ ابھی کسی کاشانی کی نظریں تم پر نہیں پڑیں ۔ ورنہ اب تک تمھاری موت کا حکم ہو چکا ہوتا ۔ ارے میاں جاؤ ۔۔ چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"اب آئے ہیں تو کاشانیوں سے مل کر جائیں گے۔"

"حیرت ہے ۔۔ اس قدر بدتمیزی سے کاشانی صاحبان کا نام لیتے پہلی بار سنا ہے۔ ہم ابھی تم لوگوں کو اندر پہنچاتے ہیں ۔۔ کیونکہ اتنے الفاظ سننے کے بعد اگر ہم تم لوگوں کو اندر نہیں بھیجیں گے تو پھر الٹا ہماری شامت آئے گی۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

"لیکن آپ کو کلاشن کوفوں کے پہرے میں چلنا ہو گا ۔۔ ورنہ ہم آپ کو شوٹ کر دیں گے۔"

"اچھی بات ہے ۔۔ یونہی سہی۔"

اور پھر وہ رائفلوں کے سائے میں آگے بڑھے ۔۔ ان کے لیے بڑا دروازہ کھولا گیا ۔۔ اندر حویلی محل کی طرز پر تعمیر کی گئی تھی ۔۔۔ انھیں کئی راہداریوں سے گزار کر ایک عالی شان ہال میں لایا گیا ۔۔ یہاں سونے کی بنی ایک کرسی پر شاہانہ لباس میں ایک بارعب آدمی بیٹھا تھا ۔۔ اس کے دائیں بائیں دو اور بارعب نوجوان اسی قسم کے لباس میں سنہری کرسیوں پر بیٹھے تھے ۔۔۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ ننگی تلواروں والے پہرے دار

ساکت کھڑے تھے — جیسے کسی بادشاہ کا دربار ہو — ہال کے درمیان میں اس وقت تین بے حال آدمی ہاتھ جوڑے کھڑے تھے:

"تم لوگوں کا جرم ثابت ہو گیا ہے، لہٰذا ہم تمھیں موت کی سزا دیتے ہیں۔" درمیان والے نے کہا۔

"مہاراج — ہم پر رحم کریں — ہم نے ہمیشہ آپ لوگوں کی خدمت کی ہے — ہمارے باپ دادا آپ کے غلام تھے — یہ چھوٹی سی غلطی ہو گئی ہے — لہٰذا معاف کر دیں — باقی تمام زندگی غلامی میں گزاریں گے۔"

"نہیں! ہم لوگ رحم کرنا نہیں جانتے — انھیں لے جاؤ۔"

"ٹھہریے — پہلے یہ بتائیے — ان کا جرم کیا ہے؟" ہال میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

"ان کا جرم — یہ کون بولا؟"

"کاشانی صاحب — یہ اس کی آواز تھی — یہ لوگ دروازے پر کھڑے آپ لوگوں کی شان میں بہت بدتمیزی کر رہے تھے۔"

"کیا کہا — بدتمیزی کر رہے تھے؟" کاشانی نے چلا کر کہا۔

"ہاں سرکار۔"

"ان کی یہ جرأت۔" دائیں طرف والے کاشانی نے کہا۔

"ان کی یہ ہمت۔" بائیں طرف والا چلایا۔

"ہاں ہماری یہ ہمت — پہلے ان تینوں کا جرم بتاؤ — پھر

ہم اپنی بات کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تم ہوتے کون ہو؟" درمیان والا غرایا۔

"میں نے کہا نا — ہم اپنا تعارف بعد میں کرائیں گے — پہلے ذرا یہ سن لیں کہ ان کا جرم کیا ہے۔"

"ان کا جرم یہ ہے کہ آج انھیں ایک آدمی کو ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا — وہ آدمی اس جگہ پر یہ لوگ ہلاک نہیں کر سکے — جہاں انھیں ہلاک کرنا تھا — بلکہ وہ فرار ہو کر جنگل تک پہنچ گیا تھا۔"

"اوہ تو آپ ظہورا موچی کی بات کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب — تم کیسے جانتے ہو؟"

"ہم وہ ہیں — جنھیں آپ کے آدمی اس قتل کے جرم میں حوالات میں بند کروا آئے تھے۔"

"تب پھر تم لوگ یہاں کیوں نظر آ رہے ہو — کیا اب اس حوالدار کو بھی سزا سنانا ہو گی؟"

"پہلے ہم سے تو بات کر لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھی بات ہے — تم اپنا تعارف کراؤ — آخر کون ہو تم لوگ اور حوالات سے کیسے نکل آئے؟"

"اس لیے نکل آئے کہ اب تک ایسی کوئی حوالات نہیں بنی جو ہمیں اپنے اندر رکھ سکے — اس میں اس حوالدار کا کوئی قصور نہیں — اس نے تو آپ کے لوگوں کے حکم پر عمل

کیا تھا۔"

"بہت خوب — ہائیں — کیا کہا — تم حوالات میں بند رہ ہی نہیں سکتے۔"

"ہاں! آپ بھی تجربہ کر لیں — آپ کی کوئی ذاتی حوالات بھی تو ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں ہے — لے جاؤ انھیں اور حوالات میں بند کر دو۔" درمیان والے نے چلّا کر کہا۔

آ رہے ہیں

انھیں فوراً درباریوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا، ننگی تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور ان کے جسموں سے تلواروں کی نوکیں چھونے لگیں:

"چلو اب حوالات میں۔"

"چلیے جناب! لیکن خیال رہے — اگر ہم حوالات سے نکل آئے تو پھر ہمیں اندر آنے سے نہ روکا جائے۔"

"ٹھیک ہے رشو — دروازے پر موجود پہرے داروں سے کہہ دینا کہ اگر یہ لوٹ کر آنے میں کامیاب ہو جائیں تو انھیں روکا نہ جائے۔"

"ٹھیک ہے سرکار۔"

اور وہ انھیں دائرے کی صورت میں گھیر کر لے چلے — یہاں تک کہ حویلی سے باہر آ گئے — حویلی کے عقب میں بے شمار چھوٹے چھوٹے مکانات تھے — ان مکانات سے بھی دور ایک

قید خانہ پتھروں کی دیواروں والا انھیں نظر آیا — اس کا دروازہ لوہے کی بہت موٹی سلاخوں کا تھا اور یہ سلاخیں بہت نزدیک نزدیک تھیں — دروازہ کھول کر انھیں اندر دھکیل دیا گیا اور پھر تالا لگا کر ان کے انچارج نے طنزیہ انداز میں کہا:

"لو بچو — اب نکل کر دکھاؤ یہاں سے۔"

"آپ چلیں! ہم آ رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

اور وہ ہنستے ہوئے چلے گئے — ان کے جانے کے فوراً بعد محمود نے چاقو نکالا اور اس کے ذریعے تین چار سلاخیں کاٹ ڈالی گئیں — پھر وہ حویلی کے دروازے پر پہنچے۔ پہرے دار انھیں دیکھ کر دھک سے رہ گئے:

"ارے! تو کیا رشو نے آپ کو اندر بند نہیں کیا تھا؟"

"کیا تھا — لیکن ہم نکل آئے اور اب آپ ہمیں اندر جانے سے نہیں روک سکتے۔"

"ہاں! وہ تو ہمیں پہلے ہی ہدایات مل چکی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک — اچھا شکریہ۔" انھوں نے کہا اور اندر داخل ہو گئے — جلد ہی وہ شاہی ہال میں داخل ہو رہے تھے — جونہی کاشانی برادرز کی اور دوسرے درباریوں کی نظریں ان پر پڑیں — ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں — ان کے سانس اوپر کے اوپر اور

نیچے کے نیچے رہ گئے:

"یہ — یہ — یہ کیا رشو کے بچے۔" درمیان والا کاشانی چلایا۔

"ابھی نہیں ہوئے سرکار۔" رشو کانپ گیا۔

"کیا کہا — ابھی نہیں ہوئے — کیا ابھی نہیں ہوئے؟"

"ج — جی — رشو کے بچے۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"وہی — جو ہم سب دیکھ رہے ہیں۔" رشو نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے — تم نے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔" دائیں طرف والا غرایا۔

"اور اس کی تمھیں سزا ملے گی۔"

"جی نہیں — آپ مجھے کیوں سزا دیں گے، جب کہ میں نے ان تمام لوگوں کے سامنے انھیں حوالات میں بند کیا ہے اور یہ سب لوگ گواہ ہیں۔" رشو نے بے خوف ہو کر کہا۔

"کیا تم سب لوگ اس بات کی گواہی دے سکتے ہو؟"

"ہاں بالکل دے سکتے ہیں — ان لوگوں کو حوالات میں بند کیا گیا تھا — ہمارے سامنے — اور تالا لگایا گیا تھا۔"

"بہت خوب! لیکن پھر یہ وہاں سے نکل کیسے آئے؟" درمیانے کاشانی نے کہا۔

"یہ دیکھیے سرکار — حوالات کی چابی میرے پاس ہے،"

میں نے ان سب کے سامنے تالا لگایا تھا اور چابی کو اس جیب میں رکھا تھا اور اب سب کے سامنے میں نے اسی جیب سے چابی نکالی ہے۔"

"تب پھر یہ لوگ کیسے نکل آئے؟" درمیان والا حیران ہو کر بولا۔

"بالکل اسی طرح جس طرح چوکی کی حوالات سے نکل آئے تھے ہم۔" محمود مسکرایا۔

"اوہ — آخر کیسے؟"

"اور مزے کی بات یہ کہ مسٹر رشو کا لگایا ہوا تالا بدستور لگا ہوا ہے۔"

"رشو — تم خود جا کر دیکھو — یہ حوالات سے کیسے نکل آئے ہیں۔"

"رشو کو سلاخیں کٹی ہوئی ملیں گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"رشو تم نے سنا نہیں۔" درمیانی نے غرا کر کہا۔

رشو تیر کی طرح ہال سے نکل گیا — واپس آیا تو اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے اور زیادہ پھیلی ہوئی تھیں:

"چار سلاخیں کٹی پڑی ہیں سر — یوں لگتا ہے جیسے کسی تیز دھار آلے سے بالکل نرم کوئی چیز کاٹی گئی ہو۔"

"ان کی تلاشی لی جائے۔"

ان کی تلاشی لی گئی، لیکن کوئی چیز نہ ملی —

"سوال یہ ہے کہ انھوں نے سلاخیں کس طرح کاٹیں — اور ہاں — اس حوالدار کے بچے کو بھی بلا لو — اس نے ہمیں ان کے فرار ہونے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"جی بہت بہتر۔" رشو نے فوراً کہا۔

"اور ہم خود حوالات کو دیکھیں گے — انھیں بھی ساتھ لے چلو۔"

"او کے سر۔"

وہ سب حوالات کے سامنے پہنچے — حیرت بھرے انداز میں ان سلاخوں کو دیکھا گیا، پھر درمیان والے کاشانی نے کہا:

"کیا تم ہمارے سامنے بھی سلاخیں کاٹ کر دکھا سکتے ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں — لیکن ہم ایسا کیوں کریں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم حکم دیتے ہیں — سلاخیں کاٹ کر دکھاؤ۔"

"ہم آپ کا حکم کیوں مانیں؟ سوال تو یہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا —

"اس لیے کہ یہ ہمارا علاقہ ہے — اور ہم اپنے علاقے میں آنے والوں پر حکم چلا سکتے ہیں۔"

"تب پھر یہ ہمارا ملک ہے — اور آپ اس وقت ہمارے ملک میں ہیں — ہم آپ کا حکم ماننے سے انکار کر سکتے ہیں۔"

"اس کا انجام جانتے ہو؟"

"ان کی خبر خدا کو ہے — پہلے یہ بتائیں — کیا آپ نے ظہورا موچی کو قتل کروایا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں — ہم تو نہ جانے ایسے کتنے لوگوں کو قتل کروا چکے ہیں۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"ان قتلوں کے گواہ کون ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ سب لوگ — رمشو اور اس کے سب ساتھی ہی تو اس قسم کے کام کرنے والے ہیں۔"

"کیوں رمشو — کیا یہ درست ہے؟"

"آپ نے سنا نہیں جناب — سرکار کہہ رہے ہیں کہ میں ان تمام قتلوں کا گواہ ہی نہیں ہوں، میں نے ہی سرکار کے حکم پر یہ سب قتل کرائے ہیں۔"

"کیا تم عدالت میں بھی یہ الفاظ کہہ سکو گے؟" انسپکٹر جمشید سرسری انداز میں بولے۔

"عدالت — کیسی عدالت — کس کی عدالت — یہ عدالت کا ذکر یہاں کہاں سے نکل آیا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر تمہارے سرکار کو ان قتلوں کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے تو کیا پھر بھی تم عدالت میں یہ اقرار کرو گے کہ یہ سب قتل تم نے کیے تھے اور اپنی سرکار کے کہنے پر کیے تھے؟"

"یہ بات بھی میں سرکار سے پوچھ کر کہوں گا۔"

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے عدالت تک لے جانے والا ہے کون — کوئی بھی نہیں — لہٰذا یہ سوال ہی فضول ہے... ایک منٹ کے لیے اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو سکتا ہے تو پھر یہ وہ کہے گا جو میں اس سے کہوں گا — اور یہ عدالت میں یہی کہے گا کہ اس نے وہ سارے قتل اپنی مرضی سے کیے ہیں — میں نے اسے ایسا کرنے کے لیے ہرگز نہیں کہا تھا۔"

"آپ سن رہے ہیں مسٹر رمشو؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"سرکار ٹھیک کہہ رہے ہیں — میں یہی کہوں گا۔"

"خیر — اب آپ لوگ میرے ساتھ شہر چلیں — وہاں آپ کو عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

"کیا کہا — ہم آپ کے ساتھ چلیں — لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں — قتل کے مجرموں کو بس یہاں چھوڑ کر تفریح کرنے آگے نہیں جا سکتا — پہلے آپ لوگوں کو دارالحکومت لے جانا ہو گا۔"

"آپ کہیں پاگل تو نہیں ہیں — آپ آخر ہمیں کس طرح لے جا سکتے ہیں — سرکار کے غلام ڈیڑھ سو کے قریب تو ہوں گے — جو اپنی جانوں پر کھیل سکتے ہیں، سرکار کے جسم

کو ہاتھ تک نہیں لگانے دیں گے ـــ دوسری بات یہ کہ اگر یہ گاؤں کے لوگوں کو اشارہ کر دیں تو وہ بھی آپ کی بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"

"اب یہی دیکھنا ہے کہ کون کیا کرتا ہے ـــ کاشانی صاحب تیار ہو جائیں۔"

"تیار ہو جائیں ، لیکن کس بات کے لیے؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید بلا کی رفتار سے حرکت میں آئے اور پھر ان کے ہاتھ کاشانی کی گردن پر جمے نظر آئے ـــ یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈ کے اندر ہو گیا ـــ جب تک کوئی کچھ سمجھتا ـــ انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"خبردار ـــ اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کی تو کاشانی صاحب کی گردن ٹوٹ جائے گی ـــ چاہو تو ان سے پوچھ لو ـــ میں ذرا سا حرکت کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے اپنے جسم کو معمولی سی حرکت دی ہی تھی کہ کاشانی لگا چیخنے:

"ارے مر گیا ـــ خبردار تم حرکت مت کرو ـــ جو تم کہو گے، وہی کر دوں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات ـــ اپنے لوگوں سے کہو ـــ اسلحہ پھینک دیں اور ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔"

"جلدی کرو ـــ اسلحہ پھینک دو ـــ اور ہاتھ اوپر اٹھا دو ـــ تم نے سنا نہیں الو کے پٹھو۔"

اسلحہ فوراً گرا دیا گیا ـــ جس کو انسپکٹر جمشید کے ساتھیوں نے فوراً اٹھا لیا ـــ اب ان کی طرف کلاشن کوفیں تان دی گئیں:

"اب اگر تم چاہو ـــ تم گاؤں کے لوگوں کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو۔"

"نن نہیں ـــ نہیں نن ـــ نن نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"دیکھا مسٹر رشو ـــ نہ تم اپنے آقا کے کام آ سکے ہو، نہ اپنے آپ کے اور نہ ہی گاؤں کے لوگوں کو بلانے کے قابل رہے ـــ اسے کہتے ہیں عقل ـــ اب تم لوگ ایک دوسرے کو باندھ ڈالو ـــ اور فصیل پر کھڑے لوگوں کو بھی اندر بلاؤ۔"

"کیا کریں ـــ باندھ ڈالیں۔" رشو کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں ، باندھ ڈالو ـــ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں اس کی گردن پر ذرا سا دباؤ ڈالوں گا۔"

"نن ـــ نہیں ـــ خبردار ـــ فوراً ایک دوسرے کو باندھنا شروع کر دو ـــ جو یہ شخص کہے کرتے جاؤ۔"

"بہت بہتر سرکار۔"

اور پھر ان سب نے ایک دوسرے کو باندھ دیا ـــ بعد میں بچ جانے والے چند آدمیوں کو محمود ، فاروق وغیرہ

نے باندھ دیا — تب کہیں جا کر انسپکٹر جمشید نے اس کی گردن چھوڑ دی :

"تمہارے پاس کوئی بڑی گاڑی تو ہو گی — یا کوئی ٹرک تو ہو گا؟"

"ہاں! کئی بڑی گاڑیاں ہیں — کرنا کیا چاہتے ہیں؟" اس نے کہا۔

"دارالحکومت لے جاؤں گا تم سب کو — اس لیے کہ تم قاتلوں کا ٹولا ہو۔"

"رہنے دیں — آپ کو اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا، بس یہیں سودا کر لیتے ہیں — بولو — کیا مانگتے ہو؟"

"سنا تم نے خان رحمان — اور پروفیسر صاحب — آپ نے بھی سنا۔"

"ہاں! یہ صاحب اب ہمیں رشوت دینے کی بات کر رہے ہیں — لیکن یہ نہیں جانتے کہ انسپکٹر جمشید کو رشوت دینا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"آپ نے یہ کیا کہا — خالہ جی کا گھر نہیں ہے — یہ کیا بات ہوئی بھلا۔"

"بھئی ہم کوئی چھوٹی موٹی رقم پر تو ماننے والے ہیں نہیں۔"

"تو کیا ہوا — آپ رقم کی بات کریں — میں ادا کروں گا۔"

"یہی تو مشکل ہے — تمہارے پاس اتنی دولت کہاں — لہٰذا آپ جیل جانا ہی پسند کریں — آسانی رہے گی۔"

"عجیب احمق ہیں آپ — آپ دولت مانگ کر تو دیکھیں — بوریوں کے منہ نہ کھول دیے۔"

"کس چیز کی — بوریوں کے؟"

"دولت کی بوریوں کے۔"

"ارے میاں جاؤ — یہ بھی کوئی بات ہوئی — بھلا بوریوں میں کیا دولت آتی ہو گی۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"پھر آپ آخر کیا چاہتے ہیں؟"

"میں نے کہا نا — آپ میرا مطالبہ پورا نہیں کر سکتے۔"

"آخر کیا مطالبہ ہے آپ کا — کچھ پتا بھی تو چلے۔"

"آپ نے اب تک جتنے آدمیوں کو قتل کروایا ہے — ان سب میں اپنی تمام دولت برابر برابر تقسیم کر دیں — اور باقی تمام زندگی ان کی غلامی میں بسر کریں۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھا — اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر وہ بولا:

"اب تمہارا جو جی چاہتا ہے — وہ کرو — میں تمہیں دیکھ لوں گا — تم صرف ایک انسپکٹر ہو نا؟"

"ہاں! صرف ایک انسپکٹر۔" وہ بولے۔

"ایک انسپکٹر کی حیثیت کیا ہے — مجھے تو آئی جی کیا — وزیرِاعلیٰ

یک سلام کرتے ہیں جی کر۔"

" لیکن اب نہیں کریں گے۔"

" اب بھی کریں گے ۔۔۔ تم دیکھو گے انسپکٹر۔" انھوں نے نفرت زدہ انداز میں کہا ۔

" اچھا ۔ دیکھ لوں گا۔"

اور پھر ٹرکوں پر لاد کر وہ ان سب کو وہاں سے لے چلے ۔ راستے میں پولیس چوکی پر وہ رُکے :

" مسٹر حوالدار کو ذرا بلاؤ ، تاکہ وہ بھی یہ نظارہ دیکھ لے۔"

حوالدار چوکی سے باہر نکلا اور یہ نظارہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا:

" یہ تو آپ نے کارنامہ دکھا دیا۔"

" تم سے بھی سمجھ لوں گا حوالدار۔" کاشانی نے غرا کر کہا۔

" جی ۔ لیکن ۔ لیکن ۔۔ میں نے کیا کیا ہے۔"

" بتاؤں گا تمھیں ، بتاؤں گا۔" وہ بولا۔

حوالدار کانپ گیا ۔ یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے کہا :

" آپ فکر نہ کریں ۔ یہ بے چارہ اب ساری زندگی جیل سے نہیں نکل سکے گا۔"

اور پھر وہ شہر پہنچے ۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے اسے اپنے محکمے کے حوالے کیا ۔۔۔ ثبوت یعنی مائکرو کیسٹ ان کے حوالے کی ۔ جس میں تمام گفتگو موجود تھی ۔۔۔ اور اکرام کو ہدایات بھی دیں کہ اب ان

لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے ۔۔ ہاں قانون کے مطابق انھیں وکیل کرنے کی اجازت دی جائے ۔

اس کے بعد وہ وہاں سے پھر اپنے تفریحی سفر پر روانہ ہوئے ، تفریحی مقام پر انھیں اکرام کا فون ملا :

" ہیلو سر ۔ مجھے افسوس ہے۔"

" کیا ہوا اکرام ۔ خیر تو ہے ؟"

" ہم اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کاشانی برادرز کو جیل میں نہیں رکھ سکے۔"

" کیا مطلب ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

" آئی جی صاحب بھی ہماری مدد نہیں کر سکے۔"

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

" آپ فوراً یہاں آ جائیں ۔۔ حالات اچھے نہیں ہیں۔" اکرام کی آواز میں کپکپی تھی ۔

" ہم آ رہے ہیں اکرام ۔ گھبراؤ نہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوئے ۔

خطرے کی گھنٹی

"مم — میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں ابا جان — ہمیں اس راستے سے نہیں جانا چاہیے، جس سے آئے تھے۔"

"تمھارا مطلب ہے، کاشانی برادرز ہم پر حملہ کریں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں! میری چھٹی حس یہی کہہ رہی ہے۔"

"نہیں — وہ حملہ نہیں کر سکتے — یہ تو آ بیل مجھے مار والی بات ہو گئی۔"

"لیکن جمشید — اگر ہم کوئی دوسرا راستا اختیار کر لیں، تو اس میں کیا حرج ہے۔"

"حرج ہے — اس طرح ہم چار گھنٹے دیر سے پہنچیں گے، جب کہ اکرام کافی پریشان ہے اور چاہتا ہے کہ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں۔" انھوں نے جواب دیا۔

"اور اگر ہمارا راستا روکا گیا تو ہو سکتا ہے، ہم چار

گھنٹے سے بھی زیادہ لیٹ ہو جائیں۔"

"دیکھا جائے گا — ہم جائیں گے اسی راستے۔" انھوں نے فیصلہ سُنایا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" فرزانہ مسکرائی۔

اور پھر وہ اس گاؤں کے نزدیک پہنچ گئے — دُور بہت دُور انھیں سڑک پر ایک بڑا پتھر نظر آیا — اس جگہ دائیں بائیں کھائیاں تھیں — جب کہ گاؤں کے بالکل ساتھ کھائیاں نہیں تھیں، لہٰذا دشمن نے پتھر اس جگہ رکھا تھا — جہاں وہ سڑک سے نیچے نہ اُتر سکیں۔

"دشمن کے پاس عقل کی کمی ہے — آخر ہم وہیں جا کر کیوں سڑک سے نیچے اُترنے کی سوچیں گے، ہم یہیں کیوں نہیں اُتر سکتے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بالکل ٹھیک — آپ اسی جگہ سڑک سے اُتر جائیں۔"

انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — کار کو سڑک سے نیچے اتار دیا اور جنگل میں درختوں کے درمیان چلنے لگے — دن کا وقت تھا — انھیں کوئی خاص دقت نہ ہوئی — بس رفتار کم ہو گئی، لیکن جونہی وہ پتھر کی سیدھ میں پہنچے — اچانک ان پر چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی؛ تاہم وہ مطمئن تھے — ان کی گاڑی بلٹ پروف تھی، لہٰذا نکلتے چلے گئے — فائرنگ میں اور تیزی

آ گئی ، لیکن دشمن کی گولیاں ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں ۔
جب انھوں نے یہ دیکھا کہ فائرنگ کا تو کوئی نتیجہ نہیں نکل
رہا تو اپنی اپنی جگہ سے نکل کر گاؤں کی طرف دوڑ پڑے ۔
یہ ان کی دوسری بے وقوفی تھی ۔ انھوں نے ان پر فائر
کھول دیا ۔ اور وہ گرتے چلے گئے ۔ چند ایک لڑھک کر بچ
گئے ۔ وہ گاڑی پر حملہ آور ہوئے ، لیکن گاڑی انھیں کچلتی چلی
گئی ۔ اور اس طرح تھوڑی دیر بعد وہ پھر سڑک پر تھے اور
تیر کی طرح اُڑے جا رہے تھے ۔

" واپسی پر تم لوگوں سے پوری طرح نبٹیں گے ۔ اس وقت
ہم جلدی میں ہیں ۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ، پھر فرزانہ سے بولے :

" ہاں فرزانہ ۔ ذرا دیکھنا ۔ یہاں کتنا وقت ضائع ہوا ہے ؟"

" جی ۔ صرف پندرہ منٹ ۔" اس نے شرما کر کہا ۔

" تو چار گھنٹے ضائع کرنے سے یہ بہتر نہیں رہا ۔"

" بہت زیادہ بہتر ۔"

اور پھر وہ دارالحکومت پہنچ گئے ۔ دفتر میں داخل ہوتے
ہی انھوں نے پہلے اپنے کمرے کا رُخ کیا ، لیکن اندر
اکرام نہیں تھا :

" ہاں بابا فضل ۔ تم شروع ہو جاؤ ۔"

" آپ لوگوں کے جاتے ہی آئی جی صاحب نے اکرام صاحب

کو بُلا لیا ۔ وہ واپس لوٹے تو ان کا چہرہ سرخ تھا ، پھر وہ اس
حوالات کی طرف گئے اور انھوں نے ان لوگوں کو رہا کر دیا ۔
رہا ہونے کے بعد انھوں نے اکرام صاحب پر خوب آوازے کسے
اور قہقہے لگاتے چلے گئے ۔"

" اکرام کہاں ہے ؟"

" گھر ۔ انھوں نے استعفیٰ دے دیا ہے ۔"

وہ فوراً اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔ وہاں اکرام موجود
تھا ، انھیں دیکھ کر اداس انداز میں مسکرایا :

" ہاں اکرام ۔ اب بتاؤ ۔"

" سر ۔ بتانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ۔ بس
آپ کے جانے کے بعد سر نے مجھے بُلایا اور حکم دیا کہ کاشانی برادرز
اور ان کے آدمیوں کو چھوڑ دیا جائے ۔ جب میں نے انھیں بتایا
کہ آپ کی ان کے بارے میں کیا ہدایات ہیں تو ان کا چہرہ
سُرخ ہو گیا اور چلّا کر بولے ۔ میں نے کہا ہے ۔ انھیں رہا
کر دو ۔ تم نے سُنا نہیں ۔
اس لہجے میں انھوں نے زندگی میں کبھی مجھ سے بات نہیں کی
تھی ۔ لہٰذا میں باہر نکل آیا اور انھیں نکال دیا ۔"

" اور انھوں نے تمھارا مذاق اڑایا ۔"

" مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے سر ۔ پریشانی صرف

اس بات کی ہے کہ انھیں حوالات میں نہ رکھ سکا۔"

"لیکن اس میں تمھارا کیا قصور ـــ تمھیں استعفیٰ بھی نہیں دینا چاہیے تھا ـــ میرا تو انتظار کر لیتے ـــ خیر وہ واپس ہو جائے گا ـــ ہم پہلے آئی جی صاحب سے بات کر لیں۔"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا ـــ آپ ان سے بات نہ کریں ـــ بلکہ صدر صاحب کے پاس جائیں۔"

"نہیں بھئی ـــ پہلے ان کے پاس جانا ٹھیک نہیں ہوگا ـــ ہم پہلے آئی جی صاحب سے بات کریں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

اور پھر وہ آئی جی صاحب کے دفتر میں داخل ہوئے، انھیں دیکھ کر شیخ صاحب کا جسم تن گیا:

"کاشانی برادرز کے بارے میں کوئی سوال نہ کرنا جمشید، ورنہ نوکری سے جاؤ گے۔"

"لیکن ہم تو ملازم نہیں ہیں شیخ صاحب ـــ ہم بات کریں گے، آخر آپ نے ان بدترین مجرموں کو کیوں چھوڑا؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا آپ اپنی تجربہ گاہ جائیں اور خان رحمان اپنی سونے کی کانیں سنبھالیں، اس بارے میں یہاں کوئی بھی بات نہیں کر سکتا۔"

"اچھی بات ہے آئی جی صاحب ـــ آپ بھی ایک بات سن

لیں۔" انسپکٹر جمشید نے غرا کر کہا۔

"تم ـــ تت ـــ تم جمشید ـــ مجھ سے اس لہجے میں بات کر رہے ہو۔"

"سر! آپ نہیں جانتے، رہا ہونے کے بعد انھوں نے اکرام کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔"

"جانتا ہوں ـــ اکرام سے وہ سلوک کرنے کے بعد وہ یہاں بھی آئے تھے۔" شیخ صاحب بولے۔

"کیا! وہ یہاں بھی آئے تھے۔"

"ہاں جناب! اور انھوں نے مجھے بھی بالکل وہی کچھ کہا تھا ـــ جو اکرام سے کہا تھا ـــ لیکن میں عقل سے پیدل نہیں ہوں ـــ کہ اکرام کی طرح استعفیٰ دے دیتا۔"

"اور آپ کو ان کے جملے سن کر غصہ نہیں آیا؟"

"آیا تھا ـــ لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا ـــ اس لیے غصے کو پی گیا ـــ اکرام کو بھی یہی کرنا چاہیے تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں ـــ اب آپ اکرام کو بحال کر دیں۔"

"ضرور کیوں نہیں ـــ وہ ڈیوٹی پر آ جائے ـــ میں آرڈر کر دیتا ہوں۔"

"کیا آپ اب بھی کاشانی برادرز کے بارے میں نہیں بتا سکتے؟"

"نہیں ـــ کچھ ہے ہی نہیں بتانے کو۔"

"چھوڑا کیوں گیا ـــ صرف اتنا بتا دیں۔"

"یہی تو نہیں بتایا جا سکتا۔"

"بہت بہتر — لیکن آپ خود بتائیں گے — بلکہ کاشانی برادرز خود بتائیں گے کہ انھیں کن حالات میں رہا کیا گیا ہے۔"

"جمشید! میں ایک مشورہ دوں گا۔"

"ضرور سر۔" وہ بولے۔

"کاشانی برادرز کو بھول جاؤ۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اچھی بات ہے۔ پہلے گھر ہو آئیں، پھر میرے پاس آنا۔"

"کیوں — گھر میں کیا بات ہے؟" وہ چونکے۔

"میں نے کہا ہے — پہلے گھر ہو آؤ۔" وہ خشک لہجے میں بولے۔

وہ کانپ گئے — اور فوری طور پر گھر پہنچے۔ دستک دینے پر بیگم جمشید نے دروازہ کھولا، لیکن ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ سکتے میں آ گئے — آخر کئی سیکنڈ بعد انسپکٹر جمشید بولے:

"ہم اندر نہیں آئیں گے — صرف یہ بتا دو — ہوا کیا ہے؟"

"ان لوگوں نے مجھے بھی اغوا کیا تھا۔"

"مجھے بھی سے کیا مراد ہے — کیا کچھ اور لوگوں کو بھی اغوا کیا تھا انھوں نے؟"

"ہاں! آئی جی صاحب کی بیگم کو بھی اغوا کیا گیا تھا اور ہدایات تھیں کہ کاشانی برادرز اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا

جائے، ورنہ ...." وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

"ورنہ کیا؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"ورنہ کے بعد کوئی لفظ نہیں کہا گیا تھا — بس ریسیور رکھ دیا گیا تھا — لہٰذا آئی جی صاحب نے فوراً ان لوگوں کو رہا کر دیا، ادھر ہم لوگوں کو چھوڑ دیا گیا۔"

"کیا آپ دونوں کو ایک جگہ رکھا گیا تھا؟"

"ہاں! ایک ہی کمرے میں۔"

"لے جایا کیسے گیا؟"

"بے ہوش کر کے — ہم اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتیں، کیونکہ رہا کرنے سے پہلے پھر بے ہوش کیا گیا تھا۔"

"لیکن جس کمرے میں آپ دونوں کو رکھا گیا — اس کمرے کے بارے میں تو بتا سکتی ہیں نا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! لیکن زیادہ نہیں — وہ ایک بڑا کمرہ تھا — اس کی دیواروں اور چھت پر ہلکا نیلا پینٹ کیا گیا تھا — اس کا فرش سفید رنگ کی ٹائیلوں کا تھا — کمرے میں ایک غسل خانہ بھی تھا اور بس۔"

"تم نے وہاں کسی کو دیکھا؟"

"نہیں — کوئی ہمارے سامنے نہیں آیا — کھانا ہمیں کمرے میں ہی مل گیا تھا — مطلب یہ کہ انھوں نے کمرے میں پہلے ہی

ہر چیز رکھ دی تھی ۔ گرم کرنے کے لیے ہیٹر بھی موجود تھا ۔ ایک
چھوٹا سا فریج بھی تھا۔"

"اور بے ہوش کرنے کے لیے انھوں نے کیا کیا؟"

"کمرے میں گیس چھوڑ دی ۔۔۔ یہاں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا،
وہ چھت کے راستے اندر آئے تھے، میں سو رہی تھی ۔۔ بس اچانک
دم گھٹنے کا احساس ہوا تھا اور بے ہوش ہو گئی ۔۔ وہی دم گھٹنے
کا احساس اس کمرے میں ہوا تھا۔"

"کسی کی آواز بھی نہیں سنی؟"

"نہیں۔" وہ بولیں۔

"اچھی بات ہے ۔۔ ہم دیکھ لیں گے۔"

"نہ ہی دیکھیں ۔ شاید ان لوگوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیں ۔۔۔ سوال
پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور اگر انھوں نے ہمیں پھر اغوا کر لیا۔"

"اب ایسا نہیں ہو گا ۔ پہلے ہمیں یہ اندازہ نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے فون پر اپنی خفیہ فورس کے نمبر ملائے ۔ انھیں
ہدایات دیں ۔۔ پھر بیگم سے بولے:

"اب گھر کے آس پاس خفیہ فورس کے آدمی ہر وقت چوکنے رہیں
گے ۔۔ وہ ان کی دال ہرگز نہیں گلنے دیں گے ۔۔ یہی انتظام میں

نے آئی جی صاحب کے گھر کیا ہے ۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"اور اب ہم پھر ان لوگوں کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں۔"

"اللہ آپ کی حفاظت فرمائے۔" وہ بولیں۔

"اور آپ لوگوں کی بھی۔" انھوں نے کہا۔

ایک بار پھر وہ اس گاؤں کا رخ کر رہے تھے ۔ خفیہ
فورس والے تو ان سے بہت پہلے وہاں پہنچ کر پوزیشن لے چکے
تھے ۔۔ ان کے پہنچنے پر سپیکر پر اعلان کیا گیا:

"کاشانی برادرز ۔۔ تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا
ہے ۔۔ اگر تم فوراً باہر نہ نکل آئے تو ہم فائرنگ شروع کر
دیں گے ۔۔ ہم تم لوگوں کو صرف تین منٹ کا وقت دیتے ہیں۔"

اس اعلان کے بعد مکمل طور پر سناٹا چھا گیا ۔۔ پھر حویلی کا
دروازہ کھلا اور کاشانی برادرز اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر آ گئے ۔۔
ان سب کو گرفتار کر کے ٹرکوں پر لادا گیا ۔ ایسے میں بڑا کاشانی بولا:

"کیا آپ ہم لوگوں کو حوالات میں رکھ سکیں گے؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"اگرچہ اس سے پہلے یہ تجربہ ہو چکا ہے۔"

"اس وقت میں یہاں نہیں تھا۔"

"خیر ۔ اب تو آپ یہاں ہیں نا ۔ دیکھ لیتے ہیں۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے — پورا گاؤں اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور کاشانی چیخ چیخ کر ان لوگوں سے کہہ رہا تھا :

"گاؤں کے لوگو — پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہم ابھی واپس آجائیں گے ، بلکہ انسپکٹر جمشید بہت عزت اور احترام سے ہمیں یہاں تک خود پہنچائیں گے۔"

"شاید مجھے تمھاری لاشیں یہاں تک پہنچانے کے لیے آنا پڑے گا۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"ابھی تمھیں اندازہ نہیں انسپکٹر کہ کس سے ٹکرا گئے ہو ، لیکن اب اندازہ ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"خیر خیر — دیکھیں گے بھئی۔"

وہ ان لوگوں کو شہر لے آئے اور خفیہ فورس والے انھیں اپنی پرائیویٹ جیل میں لے گئے — ادھر انسپکٹر جمشید گھر پہنچے — ابھی بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی :

"یہ فون کی نہیں — خطرے کی گھنٹی ہے۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"اللہ مالک ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور اٹھایا اور بولے :

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔"

"اور یہ میں ہوں انسپکٹر جمشید — وزیر خارجہ — میری بیگم کو اغوا کر لیا گیا ہے اور انھوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر فوری طور پر کاشانی برادرز اور ان کے ساتھیوں کو رہا نہ کیا گیا تو

وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں — اب آپ بتائیں — جمشید — کیا آپ نے کاشانی برادرز کو واقعی گرفتار کیا ہے؟"

"ہاں سر۔" وہ بولے۔

"تب پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیں فوراً۔"

زہریلا شربت

انسپکٹر جمشید کا سر گھوم گیا — انھیں چند سیکنڈ خود پر قابو پانے میں لگے — ایسے میں دوسری طرف سے کہا گیا:

"آپ نے سنا انسپکٹر جمشید۔"

"یس سر! میں نے سُن لیا ہے، لیکن سر — یہ بات بھی ذہن میں رہے — کہ یہ لوگ پرلے درجے کے مجرم ہیں۔"

"اور آپ کے ذہن میں بھی یہ بات رہے کہ آپ کی بیوی کی خاطر پہلے بھی انھیں چھوڑا جا چکا ہے — کیا آپ کے نزدیک آپ کی بیوی کی زیادہ اہمیت ہے — اور کسی دوسرے کی بیوی کی بیوی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" وزیرِ خارجہ نے جل بھُن کر کہا۔

"ایسی بات ہرگز نہیں ہے سر — میں نے اپنی بیوی کو رہا کرانے کے لیے انھیں ہرگز نہیں چھوڑا تھا سر۔"

"تب پھر کس کی بیوی کو رہا کرانے کے لیے چھوڑا تھا۔"

"میں نے انھیں چھوڑا ہی نہیں — میں تو رخصت پر تھا اور

شہر میں بھی موجود نہیں تھا — میری عدم موجودگی میں یہ کام آئی جی صاحب نے کیا تھا — اور اس میں بھی عمل دخل صرف میری بیوی کا نہیں گنا جائے گا — خود آئی جی صاحب کی زوجہ محترمہ کو بھی اغوا کیا گیا تھا۔"

"اوہو اچھا — خیر — لیکن یہ تو سوچیں — جب ان دو عورتوں کے لیے کاشانی برادرز کو چھوڑا جا سکتا ہے تو میری بیوی کے لیے کیوں نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"اچھا سر — آپ فکر نہ کریں۔"

"میں اپنی بیوی کی واپسی کا بے تابی سے انتظار کر رہا ہوں — کاشانی برادرز کے نمایندے کا کہنا ہے کہ جونہی اُن لوگوں کو چھوڑا گیا، میری بیوی کو بھی اسی وقت رہا کر دیا جائے گا — ذرا بھی دیر نہیں کی جائے گی۔"

"جی بہتر — میں ابھی احکامات جاری کرتا ہوں۔"

"شکریہ۔ بہت بہت۔"

فون بند کر کے اِنسپکٹر جمشید سوچ میں گم ہو گئے — آخر انھوں نے خفیہ فورس والوں کو کچھ ہدایات دیں — پھر چند منٹ بعد اکرام کو فون کیا:

"اکرام! انھیں رہا کر دو۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — کیا پھر رہا کر دیں؟"

"ہاں ! کر دو — لیکن رہائی کے لیے آدمی روانہ کرنے کے بعد تم دفتر میں نہ ٹھہرنا — ورنہ پھر وہ لوگ مذاق اُڑائیں گے۔"

"اچھی بات ہے — لیکن ایسی کیا مجبوری ہے سر؟"

"پھر بتاؤں گا — یہ وقت بتانے کے لیے مناسب نہیں۔"

"اچھی بات ہے — جو حکم۔"

اس حکم کے آدھ گھنٹے بعد ان کے دروازے پر دستک ہوئی — انسپکٹر جمشید مُسکرا دیے :

"جاؤ محمود — دروازہ کھول دو — کاشانی برادرز آئے ہیں۔"

"جی — آپ کیسے کہہ سکتے ہیں — یہ کہ وہ آئے ہیں ، انھیں بھلا یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی سمجھا کرو۔" وہ مسکرائے۔

"جی — کیا سمجھا کریں ، یہ بھی تو سمجھائیں نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اکرام انھیں دفتر میں ملا نہیں — لہٰذا یہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے ادھر آئے ہیں — تم دروازہ کھول دو۔"

محمود نے بُرے بُرے منہ بناتے ہوئے دروازہ کھول دیا :

"واہ ! یہ ہوئی نا بات۔" کاشانی کی آواز سُنائی دی۔

"کیا مطلب — آپ کا اشارہ کون سی بات کی طرف ہے؛ ہمیں تو یہاں کوئی بات ہوتی نظر نہیں آئی۔"

"آخر انسپکٹر جمشید کو، ہمیں ایک بار پھر رہا کرنا پڑ گیا —

اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔" درمیانے کاشانی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی — تیار رہنا ، میں پھر آ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہو اچھا — ابھی دم خم ہیں۔" کاشانی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ! کیوں نہیں — ابھی تو جنگ شروع ہوئی ہے — اگر تم پیچھے نہ ہٹ گئے تو بہت مزا آئے گا۔"

"اچھی بات ہے — ہم بھی اب تیاری شروع کر رہے ہیں جا کر۔"

"تمھارا وہ پُراسرار ہمدرد کون ہے — جو تمھارے اندر ہونے میں حرکت میں آ جاتا ہے۔"

"ایسی باتیں نہیں پُوچھا کرتے — ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اچھی بات ہے — اب میں ہاضمہ درست کرنے والی باتیں کروں گا — تم سُن رہے ہو بھئی — وہ باتیں جمع کرنا شروع کر دو، جو ان کا ہاضمہ درست کر دیں۔" وہ اُن کی طرف مُڑے۔

"آپ فکر نہ کریں ابا جان — آئندہ مُلاقات پر وہ باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائیں گی۔"

"بہت خوب ! یہ ہوئی نا بات — ارے ہاں — کوئی پانی

وانی نہیں پلاؤ گے انسپکٹر جمشید؟"

" وطن دشمنوں کے لیے میرے پاس پانی نہیں ، زہر ہو سکتا ہے ۔ اور ابھی شاید آپ کا موڈ نہ ہو پینے کا۔"

" نہیں نہیں ۔ موڈ کیوں نہیں ہے ۔ آپ کچھ پلانے والے تو بنیں۔"

" اچھی بات ہے ۔ آئیے پھر اندر ۔ بیگم ان کے لیے زہریلا شربت تیار کرو۔"

" جی بہتر !" ان کی آواز سنائی دی۔

انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا ۔ باہر ان کے ساتھی ٹرک پر سوار تھے ۔ بیگم جمشید نے جلد ہی شربت تیار کر دیا ۔ شربت ان کے سامنے پیش کر دیا گیا :

" کیا اس میں واقعی زہر ہے ؟"

" آپ کے خیال میں ہے یا نہیں ؟"

" ہمارا خیال ہے ، نہیں ہونا چاہیے۔"

" تو پھر پی جائیں۔"

وہ شربت غٹاغٹ چڑھا گئے ۔ جگ اور گلاس خالی کرنے کے بعد ایک کاشانی نے کہا :

" واہ ! یہ تو بہت مزے دار تھا ۔ ہم پھر آئیں گے پینے کے لیے ۔ ارے ہاں ۔ اب آپ نے وطن دشمنوں کو شربت کیسے

پلا دیا؟"

" گھر آئے مہمان کی کچھ نہ کچھ تو عزت کرنا پڑتی ہے ۔ آپ جبکہ اندر آ ہی گئے تھے تو کیا کرتے ۔ اب آپ تشریف لے جائیں ، کیونکہ میں آپ کو اپنے گھر میں گرفتار نہیں کر سکتا۔"

" گویا آپ پھر سے ہمیں گرفتار کرنے کے لیے آنے والے ہیں۔"

" ہاں بالکل۔" وہ مسکرائے ۔

" حفاظت کے انتظامات کر کے آنا ۔ کہیں اس بار صدر صاحب کی بیگم کو نہ اغوا کر لیا جائے۔"

" دیکھا جائے گا۔"

اور وہ باہر نکل گئے ۔

" یہ آپ نے کیا کیا ابا جان ۔ گھر آئے دشمن کو جانے دیا۔"

" پہلی بات تو یہ کہ میں واقعی انھیں یہاں گرفتار نہیں کرنا چاہتا ، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا ۔ پہلے بھی ہم دو بار گرفتار کر چکے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ بیگم کے پلائے ہوئے شربت کا مزا انھیں یہاں نہیں راستے میں آنا چاہیے۔"

" آپ نے کیا ملایا تھا امی جان ۔ شربت میں ؟"

" جمال گھوٹا ۔ اب تمام راستے لیٹرین کرتے جائیں گے۔"

" بہت خوب ۔ یہ ٹھیک رہا ۔ اور اب ہمیں ان پر ایک بار پھر ہاتھ ڈالنا ہے ۔ لیکن اس بار میں ذرا دوسرے طریقے سے ہاتھ

ڈالوں گا۔"

"اور وہ دوسرا طریقہ کیا ہوگا؟" خان رحمان بولے۔

"بس دیکھتے جاؤ۔"

یہ کہہ کر انھوں نے وائرلیس پر کسی سے رابطہ کیا:

"ہاں نمبر ۹ — کیا رپورٹ ہے؟"

"کوئی رپورٹ نہیں ہے سر۔"

"کیا کہہ رہے ہو بھئی — کوئی رپورٹ نہیں ہے۔"

"ہاں! کوئی رپورٹ نہیں ہے۔"

"حیرت ہے — اچھا خیر — چوکس رہو اور جونہی کوئی رپورٹ ہو، مجھے مل جائے۔"

"آپ بے فکر رہیں سر۔"

سیٹ بند کرکے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے —

"آپ لوگ ذرا آرام کرلیں — میں ایک جگہ جا رہا ہوں۔"

"کیا اس ایک جگہ ہم نہیں جا رہے؟"

"جا تو سکتے ہیں، لیکن میں نے سوچا، شاید آپ لوگ تھک گئے ہوں گے۔"

"جاسوسی کے کاموں میں تھکن کہاں — کیا خیال ہے انکل؟" محمود بولا۔

"بہت خوب! تو پھر چلیں آپ بھی — مزا رہے گا، لیکن جانے

سے پہلے میں ایک عدد فون کروں گا۔"

"آپ ایک عدد کی بات کرتے ہیں — ہماری طرف سے آپ دس عدد کرلیں — ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ویسے تم لوگوں کا کیا خیال ہے — میں اب کیا کرنے والا ہوں۔"

"آپ اس پُراسرار مددگار پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں، آخر کاشانی برادرز کی مدد کون کرتا ہے — جب وہ اندر ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے۔"

اور پھر انھوں نے فون پر کسی کے نمبر ملائے:

"ہاں سر — کیا رپورٹ ہے — آپ کی بیگم پہنچ گئیں یا نہیں؟"

"بہت بہت شکریہ جمشید — پہنچ گئیں۔"

"چلیے مبارک ہو — اور اب ذرا حفاظتی انتظامات کرلیں۔"

"کک — کیوں؟"

"میں ایک بار پھر اسے گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔"

"اوہو اچھا — بہت خوب! آپ بھی ہیں دھن کے پکے — خوشی ہوئی یہ سُن کر — لیکن ذرا پکا ہاتھ ڈالیں، تاکہ کہیں پھر شرمندگی نہ ہو۔"

"امید ہے ۔ اس بار وہ چھوٹ نہیں سکیں گے۔"

"واہ! پھر تو مزا آ جائے گا ۔ یہ لوگ ہیں اس قابل۔" وزیرِ خارجہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"بس آپ دعا کریں سر۔"

اور پھر سلسلہ بند کرکے وہ ان کی طرف مڑے:

"وزیرِ خارجہ صاحب کی بیگم واپس آ گئی ہیں ۔ ایک بات ہے، یہ لوگ اپنے وعدے کے پکے ہیں۔"

"اب ہمیں کیا کرنا ہے ۔ جونہی ہم انہیں گرفتار کریں گے، وہ بھی کسی نہ کسی کو اغوا کر لیں گے ۔ اور پھر ہمیں ان کے دباؤ میں آنا پڑے گا۔"

"ہاں! یہی تو مشکل ہے ۔ خیر دیکھتے ہیں ۔ کیا بنتا ہے؟"

اور پھر انسپکٹر جمشید اپنے انتظامات میں مصروف ہو گئے ۔ دوسرے دن وہ اپنی خفیہ فورس کے ساتھ پھر گاؤں کی طرف روانہ ہوئے، گاؤں کے لوگ تو پہلے ہی کاشانی برادرز کے خلاف تھے ۔ لہٰذا اس کا صرف دکھاوے کی حد تک ساتھ دیتے ہیں ۔ ورنہ وہ انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے ۔ اس بار بھی یہی ہوا ۔ سب نے جھکی جھکی نظروں سے ان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا ۔ اور وہ لوگ حویلی کی طرف بڑھ گئے ۔ حویلی کو گھیرے میں لے لیا گیا ۔ پھر اعلان کیا گیا ۔ کہ وہ خود کو قانون کے حوالے

کر دیں، لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا ۔

آخر حویلی پر چاروں طرف سے فائرنگ کی گئی، لیکن کوئی جوابی فائرنگ نہ ہوئی:

"میرا خیال ہے ۔ وہ لوگ یہاں نہیں ہیں ۔ کہیں پہلے ہی نکل گئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"تب پھر ہم حویلی پر قبضہ کریں گے ۔ آؤ چلیں۔"

وہ حویلی کی طرف بڑھے ۔ ایسے میں پروفیسر داؤد بولے:

"ن نہیں ۔ نہیں جمشید۔"

"کک ۔ کیا ہوا؟"

"میرا خیال ہے ۔ وہ حویلی میں بم وغیرہ رکھ گئے ہیں، جونہی ہم اندر داخل ہوں گے ۔ بم پھٹ جائیں گے۔"

"آپ نے بموں کی بو سونگھ لی ۔ کمال ہے۔"

"بو نہیں ۔ میری جیب میں موجود ایک حساس ترین آلے نے مجھے اشارہ دیا ہے۔"

"تب تو اس آلے کا شکریہ۔" فاروق نے کہا۔

"اس صورت میں تو ہمیں حویلی سے دور ہٹ جانا چاہیے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے ۔ جلدی کریں۔"

سب لوگ حویلی سے دور ہٹتے چلے گئے، لیکن وہ ایسا بھی ایک دائرے کی صورت میں کر رہے تھے، پھر اچانک

کان پھاڑ دینے والے دھماکے ہوئے اور حویلی ملبے کا ڈھیر بن گئی — وہ دھول میں اٹ گئے —

" اُف مالک — اگر پروفیسر انکل ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو؟"

" جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے"۔ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

" چلو واپس چلیں"۔

وہ وہاں سے واپس چل پڑے — گاؤں سے چند کلومیٹر دُور آئے ہوں گے کہ انسپکٹر جمشید بولے:

" گاڑی روک دو خان رحمان"۔

" کیوں کیا بات ہے؟ راستہ تو آگے صاف ہے"۔

" یہ بات یہ تینوں بتائیں گے کہ میں گاڑی کیوں رکوا رہا ہوں"۔

" آپ کا خیال ہے — کاشانی برادرز گاؤں میں ہی کہیں چھپے ہوئے ہیں — اور اب ہم گاؤں تک گاڑیاں یہاں چھوڑ کر پیدل جائیں گے اور رات کی تاریکی میں انھیں تلاش کریں گے"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

" فرزانہ کی کیا بات ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

" اور ہماری تو بس کوئی بات ہے ہی نہیں"۔ فاروق نے جل کر کہا۔

" نہیں بھئی — ایسی کوئی بات نہیں"۔ انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

" تو پھر چلیے"۔

انھوں نے گاڑیاں درختوں کے درمیان کھڑی کر دیں — چند آدمی گاڑیوں کی حفاظت کے لیے اور ضرورت پڑنے پر گاڑیاں گاؤں تک پہنچانے کے لیے چھوڑ دیے گئے — پیدل چلتے وہ گاؤں کے نزدیک پہنچ گئے — اس وقت تک رات ہو چلی تھی، انھوں نے کچھ اور انتظار کیا اور پھر پروگرام کے مطابق وہ گاؤں میں پھیل گئے — ایک ایک گھر کی سن گن لینا اب ان کا کام تھا — اشارے طے کر لیے گئے تھے — وہ سب الگ الگ سمتوں میں کام میں مصروف ہو گئے — یہ کام بہت صبر کا تھا، کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ان کا خیال درست ہی ہوتا — اس بات کا بھی امکان تھا کہ بم دیکھ کر وہ سب شہر چلے گئے ہوں —

دو گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد ایک طرف سے اُلّو کی آواز سنائی دی — بس پھر کیا تھا — سب لوگ اس سمت میں سمٹنے لگے — اُلّو کی آواز دوبار اور سنائی دی — پہلی بار وہ بہت مختصر تھی — دوسری بار اس سے قدرے لمبی اور تیسری بار اس سے بھی لمبی —

جلد ہی تمام خفیہ فورس والے اس بڑے سے مکان کے اردگرد جمع ہو گئے — انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی پہلے ہی آ چکے تھے —

" اشارہ کس نے دیا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے اشارے میں پوچھا۔

"جی میں نے۔" فاروق نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے جواب دیا۔

انھوں نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور خود دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ جونہی انھوں نے دستک دی۔ انھیں یوں لگا جیسے اندر بالکل خاموشی طاری ہو گئی ہو۔ پھر انھوں نے دوبارہ دستک دی۔ اندر سے کوئی بھرائی ہوئی آواز میں بولا:

"کک۔ کون؟"

یہ آواز سنتے ہی انسپکٹر جمشید نے ایک زبردست ٹھوکر دروازے پر رسید کر دی۔

ن۔ نہیں

دروازہ دوسری طرف جا کر گرا۔ اور وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ اندر صحن کے سامنے ہی ایک کمرہ تھا، اس کا دروازہ کھلا تھا۔ انھوں نے دیکھا، کمرے میں کاشانی برادرز اپنے چاروں غلاموں کے ساتھ موجود تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔ خفیہ فورس والوں نے انھیں آن کی آن میں قابو کر لیا:

"دیکھنا یہ ہے کہ اس بار تمھارا ہمدرد کس کی بیوی کو اغوا کرتا ہے۔"

"ضرور کرے گا۔ بلکہ کر چکا ہوگا، کیونکہ وہ بہت پُراسرار ہے۔" بڑے کاشانی نے کہا۔

"اور اس کا نام کیا ہے؟"

"یہ تو آج تک مجھے بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"کیا مطلب! یہ کیا بات ہوئی؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ باتیں ہم اس سے خفیہ ٹھکانے پر پوچھیں گے ۔ اس بار ہم انھیں بھی سرکاری حوالات میں نہیں لے جائیں گے ۔ بلکہ اپنی حوالات میں لے جائیں گے ۔ جیسے انھوں نے ہمیں اپنی ذاتی حوالات میں رکھا تھا ، ہم تو ان کی ذاتی حوالات سے نکل گئے تھے ۔ یہ نکلتے ہیں یا نہیں ۔ اب یہ دیکھنا ہے۔"

"ہم نکل جائیں گے۔"

وہ انھیں ایک خفیہ ٹھکانے پر لے آئے۔

"ابا جان ! میں ان سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور کیوں نہیں ۔ بلکہ ایک کیوں ، جتنے جی چاہے ، پوچھو۔"

"شکریہ ۔ ہاں کاشانی برادرز ۔ یہ گمنام ہمدرد تم سے کیا کام لیتا ہے ؟"

"کک ۔ کک ۔ کام۔" وہ بوکھلا اٹھے ۔ چہروں کے رنگ اڑ گئے ۔

انسپکٹر جمشید کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نمودار ہو گئے :

"بہت خوب فرزانہ ۔ تم نے بہت اچھا سوال پوچھا ۔ ہاں کاشانی برادرز ۔ تم گھبرا کیوں گئے یہ سوال سن کر۔"

"اس ۔ اس نے آج تک ۔ ہم سے کوئی کام نہیں لیا۔"

"جھوٹ ! اگر بات یہ ہوتی تو ہرگز تمھارے چہروں کی رنگت نہ بدلتی۔"

"نہیں ، وہ ہم سے کوئی کام نہیں لیتا۔" تینوں بولے ۔

"اوہو ۔ ان کے ساتھ تو کوئی نیک سلوک کرنا پڑے گا یہ ایسے نہیں اگلیں گے۔"

"ابا جان ! آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ میرے ذہن میں یہ سوال کیوں ابھرا ؟"

"اوہ ہاں بتاؤ ۔ آج تو تم میرے بھی کان کاٹ رہی ہو۔" وہ چونک کر بولے ۔

"نن نہیں تو ۔ ابا جان ۔ آپ تو ایسی بات نہ کہیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا اور پھر اپنے ذہن میں جو بات تھی ۔ وہ اس نے انھیں بتا دی ۔ وہ زور سے اچھلے ۔

"ٹھیک ہے ، ہم اس پہلو پر غور کریں گے اور انھیں کمرۂ امتحان میں لے چلتے ہیں۔"

انھیں اس عمارت کے تہ خانے میں لایا گیا ۔ اس میں آلات نصب تھے ۔ مشینیں فٹ تھیں ۔ انھیں مشینوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ۔ لیکن ابھی بٹن نہیں دبائے گئے تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی ۔ وہ چونک اٹھے ۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر فون کا ریسیور اٹھایا گیا :

"صدر صاحب کا فون آیا تھا۔" بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔

"اچھا تو پھر۔" وہ بولے ۔

"آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے ۔ میں نے بتایا کہ

مجھے نہیں معلوم — اور یہ بات سچ بھی تھی، اس لیے کہ مجھے آپ کے بارے میں واقعی معلوم نہیں تھا۔"

"تب پھر مجھے تلاش کیوں کیا؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"صدر صاحب نے کہا ہے — آپ کا فون آئے تو آپ کو ان کا پیغام پہنچا دوں۔"

"اور وہ کیا پیغام ہے بیگم؟"

"یہ کہ — ان کی بیٹی کو اغوا کر لیا گیا ہے — اغوا کرنے والوں نے انھیں فون کیا ہے — ان کا کہنا ہے کہ جب تک آپ کاشانی برادرز کو نہیں چھوڑیں گے — صدر صاحب کی بیٹی کو نہیں چھوڑا جائے گا — اور اگر ان کے جسم پر خراش بھی آئی تو صدر کی بیٹی کے جسم پر بھی خراشیں آئیں گی۔"

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے — ان کا رنگ اڑ گیا —

اور پھر وہ کاشانی برادرز اور ان کے غلاموں کو مشینوں پر سے کھول رہے تھے —

"کاشانی برادرز تم ایک بار پھر جیت گئے — تمھارے گمنام ہمدرد نے ایک بار پھر ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ ہم تمھیں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

"شاید اس بار اس نے صدر صاحب کی بیوی کو اغوا کر لیا ہے۔"

"نہیں — ان کی بیٹی کو — حیرت ہے — اس کی معلومات کس قدر تیز ہیں — ایک تو اسے فوری طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تمھیں ہم نے پھر گرفتار کر لیا ہے — دوسرے یہ کہ وہ فوری طور پر کسی کو بھی اغوا کر لیتا ہے — آخر وہ کیا چیز ہے۔"

"یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں۔"

"لیکن میں کچھ کچھ اندازہ لگا سکتا ہوں۔" ایسے میں پروفیسر داؤد بولے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس گمنام ہمدرد نے کاشانی برادرز کو ضرور کوئی ایسی چیز دے رکھی ہے، جس سے اسے پتا چل جاتا ہے کہ انھیں پھر گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ ہاں — بتاؤ اس نے کیا چیز دے رکھی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں — اور اس بات کو ذہن میں رکھو — جب تک وہ مجھے فون کر کے میری خیریت معلوم نہیں کر لیتا — اس وقت تک صدر کی بیٹی کو نہیں چھوڑے گا۔"

"اچھی بات ہے — جاؤ کاشانی — لیکن ایک بات لکھ لو — میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا — چاہے کچھ ہو جائے — کچھ کرنا پڑے۔"

"لکھ لی ہم نے یہ بات — اب ایک بات آپ بھی نوٹ کر لیں — آپ ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔" بڑے کاشانی

نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے سر کو جھٹکا دیا۔

اور وہ آگے بڑھ گئے۔

"گمنام ہمدرد کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ۔۔ کاشانی برادرز پر ہم اس وقت تک قابو نہیں پا سکتے جب تک کہ اس گمنام ہمدرد پر ہاتھ نہ ڈال لیں ۔۔۔ وہ حد درجے معلومات رکھتا ہے ۔۔ اس کے آدمی کسی بھی بڑے آدمی کے گھر کے فرد کو اغوا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں ۔۔ اِدھر وہ اشارہ کرتا ہے، اُدھر اس کے آدمی اغوا کر لیتے ہیں ۔۔ اور ہم پر اس طرف سے دباؤ پڑتا ہے ۔۔ اب ہم کیا کریں ۔۔ ظاہر ہے ۔۔ اس ہمدرد کو تلاش کرنا ہوگا۔"

"تب پھر اس سلسلے میں آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"میں اسے جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا فرمایا ۔۔ آپ جانتے ہیں۔"

"ہاں! میں نے کچھ سادہ لباس والوں کی ڈیوٹیاں چند جگہوں پر لگائی تھیں ۔۔ ان کی رپورٹیں موصول ہونے پر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کون ہے ۔۔ پھر میں نے ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا تھا ۔۔ محکمہ ٹیلی فون کو ہوشیار کر دیا تھا ۔۔ تمام بڑے لوگوں کو جس کسی نے بھی فون کیا ہوگا ۔۔ وہ فون نہ صرف ٹیپ کیے جا

چکے ہیں ۔۔ بلکہ وہ نمبر بھی ٹیپ ہو چکے ہوں گے جن سے فون کیے گئے ۔۔ اب ظاہر ہے، صدر صاحب کو جس نے فون کیا تھا کہ ان کی بیٹی اس وقت تک واپس نہیں ملے گی، جب تک کہ کاشانی برادرز کو رہا نہ کیا جائے گا ۔۔ اس کا نمبر بھی معلوم ہو چکا ہے۔"

"اوہ ۔۔ تو پھر آپ جلدی سے معلوم کریں نا ان سے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی ۔۔ انھوں نے ریسیور اٹھا لیا، وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے ۔۔ پھر شکریہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"سادہ لباس والوں کی طرف سے رپورٹ تھی ۔۔ اور اب میں محکمہ ٹیلی فون سے بات کرتا ہوں۔"

انھوں نے فون کیا اور رپورٹ سنتے رہے ۔۔ پھر ریسیور رکھ کر وہ بولے:

"یہاں اس نے چالاکی کی ہے ۔۔ اپنا فون استعمال نہیں کیا ۔۔ پبلک فون بوتھ سے فون کیا تھا اس نے، لیکن وہ میرے سادہ لباس والوں کی نگرانی کا کوئی توڑ نہیں کر سکا ۔۔ ان کی رپورٹ ہمارے لیے مفید ثابت ہوئی ہے۔"

"تو پھر بسم اللہ کریں۔"

"ہاں! آؤ چلیں۔" وہ بولے۔

وہ ایک کوٹھی کے سامنے پہنچے۔ دروازے پر موجود نگران نے انھیں دیکھ کر سلوٹ کیا:

"ہمیں صاحب سے ملنا ہے۔ انھیں بتائیے جا کر۔"

"جی اچھا۔"

نگران اندر گیا اور پھر جلد ہی واپس آگیا:

"چلیے۔ صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ وزیرِ خارجہ کے چہرے پر حیرت دیکھ کر وہ مسکرا دیے:

"آپ کو ہماری آمد پر حیرت ہوئی سر۔"

"ہاں! ہوئی تو۔ اور پھر یہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ خیر تو ہے۔"

"آپ کی بیگم صاحبہ کو نامعلوم آدمیوں نے اغوا کر لیا تھا اور انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم کاشانی برادرز کو چھوڑ دیں تو وہ انھیں چھوڑ دیں گے۔"

"ہاں بالکل۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے میری وجہ سے کاشانی برادرز کو فوراً چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے میری بیگم کو رہا کر دیا۔ اور وہ گھر پہنچ گئیں۔"

"ہم اس نامعلوم آدمی کا سراغ لگانے کی فکر میں ہیں، تاکہ

وہ کسی اور کو اغوا نہ کر سکے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"لیکن ہم آپ کی مدد کے بغیر اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"میں حاضر ہوں۔ فرمائیے۔ کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"بیگم صاحبہ کس طرح واپس آئیں۔ میرا مطلب ہے۔ کس راستے سے؟" وہ بولے۔

"وہ کچھ نہیں بتا سکیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر انھیں ایک سڑک کے کنارے چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"اور وہاں سے وہ کس طرح آئیں؟"

"ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر۔" انھوں نے کہا۔

"بہت خوب۔ ٹیکسی آپ کے صدر دروازے پر آ کر رکی تھی یا پچھلے دروازے پر؟"

"صدر دروازے پر۔"

"شکریہ! کیا ہم بیگم صاحبہ سے چند سوالات کر سکتے ہیں؟"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گی۔ اور پھر جب سے یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ ذہنی طور پر وہ پُرسکون نہیں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہدایات دے رکھی ہیں کہ انھیں ہرگز بے آرام نہ کیا جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ اب ہم براہِ راست بات کریں گے۔"

انسپکٹر جمشید کی آواز عجیب سی ہو گئی۔

"کیا مطلب"؟ وہ چونکے۔

"آپ میری بات سن کر چونک کیوں اُٹھے اور آپ نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کیا ہم اب تک براہِ راست بات نہیں کرتے رہے ہیں"؟ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب"؟

"ہم آمنے سامنے ہی بات کرتے رہے ہیں، لیکن اب جو بات میں کروں گا، وہ کچھ زیادہ ہی آمنے سامنے ہو گی۔"

"پتا نہیں — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، بہرحال کریں جو بات بھی ہے۔"

"بات بہت مختصر اور سیدھی سی ہے — آپ نے مجھے فون کیا تھا کہ کاشانی برادرز کو چھوڑ دیں، کیونکہ کسی نامعلوم آدمی نے آپ کی بیوی کو اغوا کر لیا ہے اور فون پر دھمکی دی ہے کہ جب تک کاشانی برادرز کو نہیں چھوڑا جائے گا، اس وقت تک آپ کی بیگم صاحبہ کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔"

"ہاں! یہی بات ہے تو پھر"؟ وزیرِ خارجہ حیران ہو کر بولے۔

"ہم نے آپ کا فون سننے کے بعد دو کام کیے۔" وہ مسکرائے۔

"دو کام — کون سے دو کام"؟

"پہلا کام تو میں نے یہ کیا کہ اپنے محکمے کے سادہ لباس والوں کو آپ کی کوٹھی کے اردگرد مقرر کر دیا۔"

"کیا!!!" وزیرِ خارجہ چلّائے۔

"جی ہاں! اور جب وہ اردگرد آ کر کھڑے ہو گئے تو پھر کہیں جا کر میں نے کاشانی برادرز کو رہا کر دیا۔"

"نن — نہیں۔" وہ چلّائے۔

اُن کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا —

کون

"آپ نے ملاحظہ فرمایا — براہِ راست بات نے آپ کو کس حد تک پریشان کر دیا ہے۔"

"اُف میرے خُدا — اب میں کیا کروں؟"

"پہلے میری بات سُن لیں — میں نے کاشانی برادرز کو چھوڑ دیا، اس کے کچھ دیر بعد آپ کا فون مجھے ملا — آپ نے مجھے بتایا کہ بیگم صاحبہ واپس آ گئی ہیں — اب میں نے سادہ لباس والوں سے رابطہ کیا — لیکن انھوں نے بتایا کہ کوٹھی میں کوئی عورت داخل نہیں ہوئی، نہ کوٹھی سے کوئی باہر گیا — آخر یہ واپسی کیسی واپسی تھی اور کس طرح ہوئی تھی — جب کہ آپ شروع میں کہہ چکے ہیں — انھیں ایک سڑک کے کنارے چھوڑ دیا گیا تھا — جہاں سے وُہ ٹیکسی کے ذریعے آئی تھیں۔"

"ہاں! میں یہ کہہ چکا ہوں، لیکن آپ بہت زیادہ چالاک ہیں — میری اُمیدوں سے کہیں زیادہ۔" وُہ بڑبڑائے۔

"اب اس کا مطلب ہے — آپ کی بیگم کو تو اغوا کیا ہی نہیں گیا تھا — اور آپ نے فون کرکے کاشانی برادرز کو چھڑا لیا — لہٰذا آپ ہی وہ گمنام آدمی ہیں جو اب تک کاشانی برادرز کی مدد کرتے رہے ہیں۔"

"نن — نہیں — نہیں۔" وہ چلّائے — ان کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔

"اب آپ لاکھ انکار کریں — آپ کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا، کیونکہ سادہ لباس والوں کے بیانات میرے پاس موجود ہیں۔"

"اُف مالک! اب میں کیا کروں؟"

"میں آپ کو گرفتار کرتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے یہ کہہ کر محمود کو اشارہ کیا — وُہ اُٹھا اور باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھ گیا —

"ایک منٹ انسپکٹر جمشید — جلدی نہ کریں — پہلے میری پوری بات سُن لیں۔"

"ہاں بتائیں — آپ کی پوری بات ہم ضرور سُنیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میری بیوی کو اغوا نہیں کیا گیا — اور میں نے آپ کو فون کیا کہ میری بیگم کو اغوا کر لیا

گیا ہے ، لہٰذا آپ کاشانی برادرز کو چھوڑ دیں — آپ نے جب انھیں چھوڑ دیا تو پھر میں نے آپ کو فون کر دیا — کہ میری بیگم واپس آ گئی ہیں — لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ آپ نے میرے گھر پر اپنے آدمی مقرر کر رکھے ہیں — اور اس طرح میرا پول کھل گیا — لیکن ..." وہ یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"لیکن کیا — کہیے آپ رک کیوں گئے؟" خان رحمان بے چین ہو کر بولے۔

"ہاں ہاں ! نیازی صاحب — کہیے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"میں وہ پُراسرار ہمدرد نہیں ہوں — جو اب تک کاشانی برادرز کو چھڑواتا رہا ہے۔"

"یہ کیسے کہہ دیا آپ نے — جب کہ آپ کا جُرم ثابت ہے۔"

"ہاں ! جہاں تک میرے جرم کا تعلق ہے ، وہ ثابت شدہ ہے — میں اس سے انکار نہیں کرتا ، لیکن وُہ ہمدرد میں نہیں ہوں۔" وہ بولے۔

"آخر کیسے — آپ اپنی بات کی وضاحت کریں۔"

"مجھے ایک شخص نے فون کیا تھا — یہ کہ اگر میں وزیرِ خارجہ رہنا چاہتا ہوں — تو انسپکٹر جمشید کو ان الفاظ میں فون کروں کہ میری بیوی کو اغوا کر لیا گیا ہے — لہٰذا فوراً کاشانی برادرز کو چھوڑ دو۔"

"اوہ — اوہ۔" وُہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں ! بالکل یہی بات ہے۔"

"لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم تھا کہ وُہ آپ کو آپ کے عہدے سے ہٹوا سکتا ہے؟"

"بس یقین تھا۔"

"آپ کی اس بات پر کوئی صرف اس صورت میں یقین کرے گا جب آپ اس کا نام بتائیں۔"

"اور نام میں بتانا نہیں چاہتا۔" وہ بولے۔

"اس صورت میں میں آپ کو گرفتار کرنے پر مجبور ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اچھی بات ہے — میں نام بتانے کے لیے تیار ہوں ، لیکن پھر آپ مجھے گرفتار نہیں کریں گے۔"

"چلیے ٹھیک ہے — نہیں کروں گا گرفتار — لیکن صدر صاحب کے سامنے یہ معاملہ رکھا ضرور جائے گا اور یہ فیصلہ صدر صاحب کریں گے کہ اب آپ اس عہدے پر رہنے کے قابل ہیں یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے — مجھے منظور ہے — وہ شخص — جو یہ کام کرتا رہا ہے — انشارجہ کا سفیر رابرٹ ٹام ہے۔"

"کیا !!!"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

○

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر انسپکٹر جمشید بولے:

"کیا آپ واقعی درست کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں! اب جب کہ میں بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں تو کیا جھوٹ بولوں گا۔"

"اچھی بات ہے — پروفیسر صاحب آپ کے ساتھ رہیں گے — ہم ذرا سفیر صاحب سے مل آئیں۔"

"انھیں یہاں چھوڑنے کی کیا ضرورت — کیا آپ کے خیال میں میں فرار ہو جاؤں گا؟"

"جی نہیں — کہیں آپ سفیر صاحب کو فون نہ کر دیں۔"

"اور یہ مجھے روک سکیں گے؟"

"اس بات کی گواہی تو دے سکیں گے کہ انھوں نے آپ کو سفیر کو فون کرتے دیکھا اور سنا ہے۔"

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں — آپ جائیں — بے شک پروفیسر صاحب کو یہاں چھوڑ جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور وہ وہاں سے سیدھے انشارجہ کے سفارت خانے پہنچے — رابرٹ ٹام نے انھیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا — انسپکٹر جمشید نے فوراً پستول نکال لیا — انھیں کمرے کا رنگ نیلا اور فرش سفید ٹائلوں والا نظر آیا تھا۔

"آپ ہاتھ اوپر کر دیں۔"

"کیا مطلب — آپ ہوش میں تو ہیں؟"

"جی ہاں! اگر ہوش میں نہ ہوتا تو یہاں ہرگز نہ آتا۔"

"بات کیا ہے — پستول جیب میں رکھ کر بات کریں۔"

"جی نہیں — بات اسی طرح ہو گی۔"

"آخر بات ہے کیا؟"

"ہم آپ کو گرفتار کرتے ہیں — آپ نے کاشانی برادرز کو چھڑوانے کے لیے عجیب و غریب ہتھکنڈے اختیار کیے ہیں — یہاں تک کہ وزیرِ خارجہ نیازی صاحب کو فون کیا کہ وہ مجھے فون کریں کہ ان کی بیگم کو اغوا کر لیا گیا ہے — اور اغوا کرنے والے انھیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے — جب تک کہ کاشانی برادرز کو نہ چھوڑ دیا جائے۔"

"اوہ — تک — کیا یہ بات وزیرِ خارجہ نے کہی ہے؟"

"ہاں! اس لیے کہ ہم نے ان کا جھوٹ پکڑ لیا ہے — آپ سے یہاں بہت بڑی غلطی ہوئی ہے — آپ کو اغوا کا ڈراما

بھی رہا نا چاہیے تھا ۔ یعنی بیگم صاحبہ کو اغوا بھی کر لیتے ۔ اس طرح
میرے سادہ لباس والے مجھے یہ خبر نہ دے پاتے کہ کوئی خاتون
گھر میں واپس نہیں آئی۔"

"ن نہیں۔" وہ کانپ گیا۔

"آپ کے جرم کا مکمل ثبوت ہمارے پاس ہے ۔ آپ کو
ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

اس کا چہرہ لٹک گیا، پھر ایک منٹ کی خاموشی کے بعد
اس نے مشکل سے اپنا سر اٹھایا اور بولا:

"سودا کر لیں انسپکٹر جمشید ۔ بہت بڑے فائدے میں رہو
گے ۔ میں تمہیں ہوم سیکرٹری لگوا دیتا ہوں۔"

"میں اگر چاہتا تو کب کا ہوم سیکرٹری لگ چکا ہوتا، لیکن
مجھے تو مزا ہی انسپکٹری میں آتا ہے۔" وہ ہنسے۔

"خیر ۔ بے پناہ دولت دے سکتا ہوں ۔ اتنی کہ تم سوچ
بھی نہیں سکتے۔"

"یہ میرے دوست کو دیکھ رہے ہیں آپ ۔ ان کے پاس
سونے کی کانیں ہیں ۔ میرے ایک اشارے پر یہ اپنی ساری
کانیں مجھے دے سکتے ہیں ۔ لیکن مجھے تو دولت کا لالچ ہے ہی
نہیں ۔ کوئی اور بات کریں مسٹر رابرٹ طام۔"

"اور کیا بات رہ جاتی ہے ۔ اب میں آپ کو ملک کا

صدر تو لگوا نہیں سکتا ۔ ارے مگر ۔ نہیں ۔ میرا خیال ہے ۔
میں لگوا سکتا ہوں، لیکن فوری طور پہ نہیں ۔ اس کام میں تین
سال لگ جائیں گے۔"

"مجھے ملک کا صدر بننے کا بھی کوئی شوق نہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر میں آپ کو ملک کی ایک ایسی ہستی بنوا سکتا ہوں ۔
جو صدر کو بھی جواب دہ نہیں ہو گی۔"

"میں اب بھی صدر کو جواب دہ نہیں ہوں ۔ مجھے کوئی کام
کرنے کے لیے ان سے اجازت نہیں لینا پڑتی۔" وہ مسکرائے۔

"اب میں آپ کو اور کیا پیش کش کروں؟" اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ کوئی پیش کش نہ کریں ۔ ہماری البتہ آپ کو ایک
پیش کش ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہم آپ کو چھوڑ سکتے ہیں ۔ اگر آپ ہماری پیش کش کو
مان لیں۔"

"آپ بتائیں بھی تو۔" اس نے بے چین ہو کر کہا۔

"آپ ہمارے چند سوالات کے جوابات دے دیں۔" انھوں
نے سرسری انداز میں کہا۔

"یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی ۔ میں تیار ہوں ۔ لیکن پھر آپ
مجھے چھوڑ دیں گے؟"

" ہاں ! بالکل ۔ آپ فکر نہ کریں۔"

" اچھا تو پھر پوچھیں سوالات۔" اس نے فوراً کہا۔

" پہلا سوال فرزانہ تم کرو گی۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

" جی ضرور ۔۔ مسٹر رابرٹ ۔ آپ یہ بتا دیں ۔ کاشانی برادرز سے آپ کیا کام لیتے رہے ہیں؟"

" تم مجھے افسوس ہے ۔۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

" فرزانہ ۔۔ تم تو فیل ہوگئیں ۔ ایسا سوال پوچھا ۔۔ جس کا یہ حضرت جواب نہیں دے سکتے ۔۔ خیر محمود اب تمھاری باری ہے۔"

" جی بہت بہتر ۔۔ مسٹر رابرٹ آپ یہ بتائیں ، انشارجہ نے جب آپ کو سفیر بنا کر اِدھر بھیجا تھا تو کیا ہدایات دی تھیں اور کیا آپ ان ہدایات کی کوئی نقل ہمیں دے سکتے ہیں؟"

" مجھے افسوس ہے ۔۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

" محمود ! تم گئے کام سے ۔ فاروق اب تم سوال پوچھو۔"

" کیا خیال ہے بھئی ۔ پوچھ لوں سوال۔" فاروق مسکرایا۔

" ضرور کیوں نہیں ۔ پوچھو بھئی۔"

" ہمارے ملک میں انشارجہ کے جو جاسوس کام کر رہے ہیں ،

ان کے نام اور پتے بتا دیں۔"

" اس سوال کا جواب تو مجھے بھی معلوم نہیں ۔ جواب کیا دوں گا۔"

" خیر ! اتنا بتا دیں ، اس سوال کا جواب ہمیں کون دے سکتا ہے؟"

" انشارجہ کی تنظیم ۔۔ ڈی آئی اے۔"

" بہت خوب ! خیر ہم اس سے معلوم کرلیں گے ۔ آپ سے ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا ۔۔ لیکن ایک بات ہم معلوم کر کے رہیں گے۔"

" اور وہ کیا؟"

" آپ یہ اغوا وغیرہ کے کام جن لوگوں سے لیتے رہے ہیں ، ان سب کے نام ، پتے اور فون نمبر ہمیں دے دیں۔"

" یہ میں بتا سکتا ہوں ، اس لیے کہ یہ سارا کام میں مقامی ایجنٹوں سے لیتا رہا ہوں ۔۔ اس قسم کے کام ہم اپنے ملک کے لوگوں سے نہیں کراتے ۔۔ تاکہ اگر پھنسیں تو آپ کے اپنے لوگ پھنسیں۔"

" لیکن آپ تو پھنس گئے۔"

" مجھے تو آپ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

" نہیں ! یہ میں نے اس صورت میں کہا تھا ، جب آپ اپنے ملک کے لوگوں کے نام بتائیں ۔۔ جو ہمارے ملک کے خلاف کام

کر رہے ہوں — دوسرے یہ کہ آپ نے اس ایک کے علاوہ کسی
سوال کا جواب بھی نہیں دیا — ہم نے شرط یہ طے کی
تھی کہ آپ ہمارے چند سوالات کے جوابات دیں گے اور
ہم آپ کو رہا کر دیں گے۔"
"خیر — آپ مجھے گرفتار کر لیں — آپ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ
سکتے — آخر کو میں انشارجہ کا سفیر ہوں — زیادہ سے زیادہ آپ
کی حکومت میرے خلاف صرف اتنا کرے گی کہ مجھے ناپسندیدہ
شخصیت قرار دے کر میرے ملک بھیج دے گی — اس طرح تو میں
بالکل سستا چھوٹ جاؤں گا۔"
"ایسا نہیں ہوگا مسٹر رابرٹ — ابھی آپ انسپکٹر جمشید کو
نہیں جانتے — خان رحمان تم ان کے پاس ٹھہرو — ہم ذرا
کاشانی برادرز کو لے آئیں — دونوں کو آمنے سامنے بٹھا کر بات
چیت کرنا میرے خیال میں زیادہ بہتر رہے گا۔"
"ہاں! یہ تو خیر ہے۔" خان رحمان بولے۔
"لیکن یہ صاحب فرار ہونے کی کوشش کریں گے — اس بات
کا خیال رہے۔"
"تم فکر نہ کرو — میں انھیں فرار نہیں ہونے دوں گا۔"
خان رحمان بولے۔
وہ سفارت خانے سے باہر آ گئے اور گاڑی کی طرف روانہ ہوئے:

"جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ رابرٹ کاشانی برادرز سے
کیا کام لیتا رہا ہے — اس وقت تک مزا نہیں آئے گا۔"
"فکر نہ کرو — اسی کوشش میں تو میں ہوں۔"
"اور میرے خیال میں ابا جان اس شخص کو سفارت خانے
میں چھوڑنا بالکل غلط ہوگا۔" ایسے میں فرزانہ نے کہا۔
"تمھارے خیال میں کیا وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔
"ہو سکتا ہے — اور یہ بھی ہو سکتا ہے — وہ انکل کو کوئی
نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"
"اسی لیے تو میں نے صرف خان رحمان کو وہاں چھوڑا ہے۔"
وہ پُر اسرار انداز میں بولے۔
"جی! یہ کیا بات ہوئی۔"
"بس تم دیکھتے جاؤ — ہمارا اصل رونا یہ ہے کہ کسی ملک
کے سفارت کار کو اپنے ملک کی حکومت کوئی سزا نہیں سنا
سکتی — انھیں زیادہ سے زیادہ ملک سے نکل جانے کا حکم
دیا جا سکتا ہے — اب ذرا تم خود سوچو — اگر اس شخص کو
ہماری حکومت صرف ناپسندیدہ شخص قرار دے کر واپس انشارجہ
بھیج دے گی تو ان لوگوں کو کیا تکلیف پہنچے گی — یہ تو خوش ہو
جائیں گے — جب کہ ہمارے ملک میں رہ کر یہ ہمارے ملک

کے خلاف کام کرتے رہتے ہیں — لیکن — یہ سودا مجھے منظور نہیں، اور اسی لیے ہم کاشانی برادرز کو لینے جا رہے ہیں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

اور پھر انھوں نے حویلی کو گھیرے میں لے لیا — ایک بار پھر کاشانی برادرز کو حویلی سے باہر نکالا گیا — ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائی گئیں:

"آخر آپ اس فضول کام سے باز کیوں نہیں آ جاتے۔" بڑا کاشانی بولا۔

"فضول کام — آپ کا اشارہ کون سے فضول کام کی طرف ہے؟"

"یہی ہماری گرفتاری کی طرف اور کیا؟"

"بس! یہ آخری بار کیا ہے — آئندہ نہیں کریں گے۔" محمود بولا۔

"کیا واقعی — اس کا مطلب ہے — خود تم تنگ آ گئے ہو؟"

"ہاں اور کیا۔"

اور پھر کاشانی برادرز کو ایک خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیا گیا۔

"اب آپ یہاں آرام کریں۔"

"ضرور — کیوں نہیں — اِدھر آپ گھر پہنچیں گے — اُدھر میرے ہمدرد کا فون تم تک پہنچ جائے گا۔"

"نہیں — شاید — اس بار ایسا نہ ہو سکے۔"

"خیر خیر — دیکھیں گے۔" وہ ہنس پڑے۔

اور وہ عمارت سے نکل آئے — تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید کے ماتحت رابرٹ ٹام کو ہتھکڑیاں لگائے وہاں آ گئے — اور جب رابرٹ کو انھوں نے کاشانی برادرز کے کمرے میں داخل کیا تو کاشانی برادرز اس قدر زور سے اچھلے کہ آپس میں ٹکرا کر رہ گئے۔

"کیوں — ہو گئی نا ساری اکڑ فوں ہوا؟"

"یہ — یہ ہم کیا دیکھ ہیں مسٹر رابرٹ۔"

رابرٹ کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا — بڑا کاشانی بلند آواز میں بولا:

"مسٹر رابرٹ — کچھ تو بولیے۔"

"فکر نہ کریں — یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"اب آپ لوگ آرام کریں — ہم ذرا آپ کے خلاف کچھ کام کر ڈالیں — تاکہ آپ کو جب عدالت میں پیش کیا جائے تو ہماری حکومت آپ کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دینے کی بجائے کوئی سخت سزا سنا سکے۔"

"یہ قانون ہی نہیں ہے — بین الاقوامی قانون تو یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ، ناپسندیدہ شخص قرار دے کر ملک سے نکال دیا جائے۔" رابرٹ ہنسا۔

"دیکھا جائے گا — آؤ بھئی چلیں۔"

انھیں اس کمرے میں بند کرکے — دروازے پر خفیہ تالا لگا کر وہ وہاں سے ہٹ گئے — ادھر اندر کاشانی برادرز نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:

"مسٹر رابرٹ — اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا — بس تم ان لوگوں کو یہ نہ بتانا کہ میں تم سے کام کیا لیتا رہا ہوں — اگر تم نے زبان نہ کھولی تو یہ ہمارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہم انھیں کچھ نہیں بتائیں گے۔" بڑے کاشانی نے کہا۔

"اور ہاں! تم نے ان سب کاموں کی کوئی نوٹ بک، کوئی ڈائری وغیرہ تو نہیں بنا رکھی — کہیں ایسا نہ ہو — وہ تمھاری عدم موجودگی میں حویلی کی تلاشی لیں اور انھیں اس قسم کی کوئی ڈائری مل جائے — یہ ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔"

"ارے باپ رے — یہ کام تو میں نے کر رکھا ہے۔"

"کیا مطلب — تت — تو کیا — ایسی کوئی نوٹ بک وہاں موجود ہے؟"

"ہاں! میری سیف کے خفیہ خانے میں۔"

"یہ تم نے کیا کیا — میں نے تم سے کہا تھا نا — کہ اپنے

جرائم کا کبھی کوئی ثبوت نہ چھوڑنا۔"

"لیکن میرے بھائیوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اگر کبھی آپ لوگوں نے ہمیں دھوکا دینا چاہا تو ہم کم از کم اپنی حکومت کو آپ کا چہرہ تو دکھا سکیں گے — اس طرح شاید ہماری حکومت ہمارے لیے نرم سزا تجویز کرسکے۔"

"یہ تم نے بُرا کیا۔" رابرٹ پھنکارا۔

"لیکن اس کمرے میں فون موجود ہے — آپ کسی خفیہ کارکن کو فون کریں، تاکہ وہ ان سے پہلے وہ ڈائری حاصل کرلے۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

رابرٹ نے پُرجوش انداز میں کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر جلدی جلدی کسی کے نمبر ملانے لگا — پھر سلسلہ ملنے پر وہ اس نوٹ بک کے بارے میں ہدایات دینے لگا — آخر ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑا:

"میرا خیال ہے — میرا آدمی ان سے پہلے پہنچ جائے گا، لیکن وہ یہاں نہیں پہنچ سکے گا، کیونکہ اسے اس ٹھکانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"اس کی خیر ہے — یہ لوگ آخر کو ہمیں عدالت میں ہی پیش کریں گے نا — وہاں یہ کچھ ثابت نہیں کرسکیں گے۔"

"ہاں! یہ تو ہے — خیر تم فکر نہ کرو۔"

عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی — پھر دروازہ کھُلا اور کمرے کے اندر موجود رابرٹ اور کاشانی برادرز زور سے اُچھلے، کیونکہ دروازے پر ایک اور رابرٹ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنے کھڑا تھا:

"یہ — یہ — یہ کیا — دو دو رابرٹ۔" کاشانی برادرز چلّائے۔

"نہیں رابرٹ کو تو اب لایا گیا ہے۔" کمرے میں پہلے سے موجود رابرٹ نے کہا۔

"کیا مطلب — اگر آپ رابرٹ نہیں ہیں تو پھر کون ہیں؟"

"اس خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"کیا!!!" وہ چلّائے۔

جانے والے

"ہاں! مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں — اور یہ ہے اصل رابرٹ ٹام، اور وہ ڈائری اب ہمارے قبضے میں ہے — اس کی مدد سے ہم ثابت کریں گے کہ کاشانی برادرز کیا ہیں اور رابرٹ ٹام یہاں کیا کرتا رہا ہے — پھر میں دیکھوں گا کہ کس طرح ہماری حکومت رابرٹ ٹام کو صرف ایک ناپسندیدہ شخص قرار دے کر ملک سے نکل جانے کا حکم دیتی ہے — رابرٹ ہمارے ملک کا مجرم ہے — لہٰذا اسے اسی ملک میں اپنے کیے کی سزا ملے گی — اب انشارجہ چاہے جتنا زور لگا لے۔"

"نہیں! تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔" رابرٹ نے جھنا کر کہا۔

"بہت جلد تمھیں معلوم ہو جائے گا — آؤ بھئی چلیں۔"

انھیں وہاں بند کر کے وہ گھر آئے اور ڈائری کا مطالعہ شروع کیا — مطالعے کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ انشارجہ اپنے جاسوس شادجستان کی سرحد کے ذریعے ہمارے ملک میں داخل کرتا تھا اور

وہ کاشانی برادرز کی مدد سے ان کے ملک میں داخل ہو جاتے تھے — کاشانی برادرز نہ صرف ان کی رہنمائی کرتے تھے — بلکہ ان کی ہر ممکن مدد بھی کرتے تھے — اور ساتھ میں ان کے نام حلیے وغیرہ بھی لکھتے تھے — بعد میں وہ جاسوس رابرٹ ٹام کی ہدایات کے مطابق ملک کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تھے — گویا اس نوٹ بک کی مدد سے وہ ان تمام جاسوسوں کو گرفتار کرنے کے قابل ہو گئے تھے —

ڈائری پڑھنے کے بعد انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا:

"ایک بات ذہن میں رکھ کر مشورہ دو — ہم کچھ بھی کر لیں، کتنے بھی ثبوت پیش کر دیں — سفارت کار پھر بھی رہا ہی کیا جائے گا — اسے باعزت طور پر اس کے ملک پہنچا دیا جائے گا — لہٰذا کوئی ایسی ترکیب سوچو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"تب پھر پولیس مقابلہ کر لیتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہ پولیس مقابلہ — مجھے یہ طریقہ اچھا تو نہیں لگتا، لیکن اس کیس میں ایسا کرنا ہی ہو گا — اور پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر پولیس مقابلہ فرضی ہو — محض دکھاوا ہو — پولیس اس طرح خطرناک مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے — آج زندگی میں شاید پہلی بار مجھے بھی ایسا کرنا ہو گا — کیا خیال ہے دوستو؟"

"خیال نیک ہے — ہماری پولیس ایسا صرف اس وقت کرتی ہے جب کسی کے مجرم ہونے کا انھیں مکمل طور پر یقین ہو چکا ہوتا ہے، لیکن وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مجرم یا تو رشوت دے کر اپنے حق میں ہر بار فیصلہ کرا لیتا ہے یا وکیلوں کے قانونی نقطوں کی مدد سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور قانون کا مذاق اڑاتا ہوا عدالت سے باہر آ جاتا ہے — پولیس صرف ایسے لوگوں کو پولیس مقابلوں میں ہلاک کر دیتی ہے اور میں سمجھتا ہوں — اگر پولیس انتہائی ایمان داری سے ایسا کرے تو یہ غلط بھی شاید نہیں ہے — معاشرے کو ایک خطرناک شخص سے اس طرح نجات مل جاتی ہے — ورنہ وہ لوگوں کے لیے عذاب بنا رہتا ہے — آج ہم بھی ایسا قدم اٹھانے پر اسی لیے خود کو مجبور پاتے ہیں کہ رابرٹ ٹام صاف بچ جائے گا — اور اپنے ملک جا کر ہمارا مذاق اڑائے گا — کاشانی برادرز بھی ہو سکتا ہے، پھر انتارجہ کے دباؤ کی وجہ سے رہائی حاصل کر لیں — لہٰذا ایک عدد پولیس مقابلے کا سٹیج تیار کرنا ضروری ہو گیا ہے۔" خان رحمان نے اچھی بھلی تقریر جھاڑ دی۔

"تو پھر آؤ — ہم اپنے ان دوستوں سے آخری ملاقات کر لیں — اور اکرام کو بھی ذہنی طور پر تیار کر دیں —

یہ کام وردیاں پہن کر وہ اپنے ماتحتوں کے ذریعے کرائے گا۔"

تمام انتظامات کرنے کے بعد وہ خفیہ ٹھکانے پر آئے، دروازہ کھولا گیا — رابرٹ ٹام اور کاشانی برادرز نے پُرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا:

"کیا خیال ہے — ہماری رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔"

"ہمارے نزدیک تو نہیں ہے — اُٹھیے، ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

"ہمیں کہاں لے جانے کی تیاری ہے؟"

"وہیں — جہاں آپ کو لے جانا چاہیے — ہم جلد از جلد آپ لوگوں کے کیس سے اپنے آپ کو فارغ کر لینا چاہتے ہیں — ہمارا کام تو بس اتنا ہے — مجرم کے خلاف ثبوت مہیا کیا اور اسے ثبوت سمیت قانون کے حوالے کر دیا۔"

"تو آپ ہمیں قانون کے حوالے کر رہے ہیں؟"

"آپ کے خیال میں اور ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"یہ سُن کر اطمینان ہوا — کہ آپ ہمیں قانون کے حوالے کر رہے ہیں۔" رابرٹ نے خوش ہو کر کہا۔

"آؤ بھئی اکرام — اپنے مجرموں کو لے جاؤ — ثبوت کے طور پر یہ نوٹ بک ہمارے پاس موجود ہے — یہ نوٹ بک عدالت میں ہم خود پیش کریں گے — ایسا نہ ہو — رابرٹ ٹام

کے جاسوس نوٹ بک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"اوہ ہاں! یہ نوٹ بک بہت خطرناک ہے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

آخر وہ انھیں لے کر عمارت سے باہر آئے، ایک بند گاڑی میں بٹھایا گیا — انسپکٹر جمشید وغیرہ بھی ساتھ چلے — ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ آگے سڑک بلاک نظر آئی:

"یہ کیا معاملہ ہے اکرام؟" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"سڑک بلاک کر دی گئی ہے — معلوم ہوتا ہے..."

عین اس وقت گولیوں کی بوچھاڑ ماری گئی، پھر بلند آواز میں اعلان کیا گیا:

"خبردار! بھون کر رکھ دیں گے — مسٹر رابرٹ ٹام اور کاشانی برادرز کو گاڑی سے باہر نکال کر ہماری طرف بھیج دیں — اگر ایک منٹ کے اندر اندر ایسا نہ کیا گیا تو ہم کسی کو نہیں چھوڑیں گے — جلدی کریں۔"

"باہر نکال دو بھئی اکرام انھیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان لوگوں کو گاڑی سے باہر نکالا گیا اور ہدایات دی گئیں کہ وہ اس سمت میں چلے جائیں، جس طرف سے آواز آئی تھی — اس طرف چٹانیں تھیں — گویا حملہ آور ان چٹانوں کے پیچھے تھے۔

وہ اس سمت میں چل پڑے —

"خبردار ___ تم لوگ اپنی گاڑیاں پیچھے ہٹا لو ، تاکہ ہم اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں۔" چٹانوں کے پیچھے سے کہا گیا۔

"اکرام ___ یہ لوگ ملک اور قوم کے دشمن ہیں ___ ان پر فائر کر دو۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"او کے سر۔"

"نن ___ نہیں۔" رابرٹ اور کاشانی برادرز چلائے۔

"فائر۔"

اس آواز کے ساتھ ہی رابرٹ ٹام اور کاشانی برادرز نے دوڑ لگا دی ___ ساتھ ہی ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ماری گئی ___ وہ اچھل اچھل کر گرے ___ ان کے جسم چھلنی ہو گئے ___ ادھر چٹانوں کے پیچھے سے کسی نے کہا:

"ان لوگوں نے فائرنگ کر کے مسٹر رابرٹ اور کاشانی برادرز کو مار ڈالا ___ بھاگو ___ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے۔"

اور پھر چٹانوں کے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی:

"قصہ ختم ہوا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے ___ ہم اتفاق سے آپ کے ساتھ ہیں ___ جو کچھ ہوا ہے ___ جو دیکھا ہے ___ عدالت میں اس کی گواہی دیں گے۔" ایک مجسٹریٹ نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔" وہ مسکرائے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں ٹام اور کاشانی برادرز کے پولیس مقابلے میں مارے جانے کی خبریں شائع ہوئی تھیں، ان خبروں نے ہر طرف خوشی کی لہر دوڑا دی ___ شہر کے لوگ مطمئن نظر آ رہے تھے ___ البتہ انشارجہ کی حکومت پیچ و تاب کھا رہی تھی ___ لیکن وہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی ___

ادھر انسپکٹر جمشید پارٹی اس نوٹ بک کی مدد سے باقی جاسوسوں کی گرفتاری کا عمل شروع کر چکی تھی ___

فائدے کی بات

- ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ خونی اشتہار ، سنہری چٹان ۲ ، بوڑھا چہرہ ، حویلی کا اسرار ، ہیٹ والا ، نوٹ بک ، وادیٔ مرجان ، ریچھ نما آدمی اور چائے کا کپ پڑھیں گے ۔
- ہر ناول کی قیمت ۱۵ روپے ہے ۔
- ان تمام ناولوں کی کل قیمت ۱۳۵ روپے بنتی ہے ، لیکن ادارے سے براہِ راست منگوانے پر آپ کو یہ تمام ناول رعایتی قیمت ۱۱۵ روپے میں ملیں گے ۔
- ناول بذریعہ وی پی ارسال کیے جاتے ہیں ۔
- خط لکھ کر آرڈر نوٹ کروائیں ۔
- پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت سے ۵ روپے زائد وصول کرے گا ، اس طرح بھی آپ کو گھر بیٹھے ناول ملنے کے ساتھ ساتھ ۱۵ روپے کی بچت ہو گی ۔
- ہے نا فائدے کی بات ۔

آرڈر بھیجنے کا پتا :

مطبوعاتِ اشتیاق ، ۹/۱۲ نصیر آباد ، سانده کلاں ، لاہور

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود ، فاروق ، فرزانہ

اور ــــ انسپکٹر جمشید سیریز ۶۱۰

خونی اشتہار

مصنف : اشتیاق احمد

- اس عجیب وغریب اشتہار پر ٹی ایس ایم کی نظر پڑی تھی ۔
- ٹی ایس ایم نے اپنے ساتھ جن کو لیا اور اشتہار دینے والی فرم میں پہنچ گیا ۔
- اور یہاں سے ایک خونی ڈرامے کی ابتدا ہوتی ہے ۔
- انسپکٹر جمشید، محمود ، فاروق اور فرزانہ میدانِ عمل میں ۔
- وہ ایک پُر ہول راز سے پردہ اٹھاتے ہیں ۔
- آخر میں آپ مجرم کا نام سُن کر ضرور چونکیں گے ۔
- ۲۰ دسمبر کو پڑھیں ــ قیمت : ۱۵ روپے ۔

یہ کتب

سٹاک میں موجود ہیں

- ایک خط لکھ کر آپ جو کتابیں چاہیں ، رعایتی قیمت پر ادارے سے براہِ راست منگوا سکتے ہیں ۔
- کتابیں بذریعہ وی پی ارسال کی جاتی ہیں ۔
- ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا ۔
- آپ کم از کم ساٹھ روپے کی کتب کا آرڈر دے سکتے ہیں ۔
- سٹاک میں موجود کتب کی فہرست ہر ماہ شائع کی جاتی ہے ۔

نام ناول	قیمت	نام ناول	قیمت	نام ناول	قیمت
دائرے کا سمندر	۱۵۰ روپے	آئین بے ذنائی	۷۵ روپے	جیرال	۶۰ روپے
انطال	۹۰ //	جیرال + انطال	۹۰ //	جب ٹھینگا بجا	۱۰ //
موت کے ہرکارے	۶۰ //	سلاٹر کی واپسی	۳۰	فن کار قاتل	۱۵ //
قاتل کاریں	۶۰ //	دشمن تہہ	۳۰	اونٹ رے اونٹ	۱۵ //
سنہری چٹان حصہ اول	۲۷ //	زرد لفافہ	۱۵	سونے کا گھوڑا	۱۵ //

نام ناول	قیمت
چوہے دان	۱۵ روپے
خوشبو کا پھندا	//
شاہی مجرم	//
سوزانی درندہ	//
خول در خول	//
قاتل کا قاتل	//
پُر ہول سازش	//
انوکھا شکار	//
مکھیوں کے قیدی	//
خطوط کا فریب	//
خون آلود خنجر	//
گمنام ہمدرد	//
پرسے راٹا	//
قتل کی دعوت	//
جرم کا انداز	//
فارمولے کی چوری	//
[illegible]بال	//
[illegible]ش کی دعوت	//
[illegible]ی ڈاکا	//
[illegible]ان کا شکار	//

نام ناول	قیمت
غار کی قبر	۱۵ روپے
ثبوت	//
جوناٹ	//
چابی + خط	//
نامعلوم دشمن	//
قصبے کی روح	//
مخلص قاتل	//
قلمی مہمان	//
دوسری عدالت	//
انجانا خطرہ	//
بھوت کی چوری	//
قیدی کا اسرار	۱۰ روپے
بھوت محل	//
وار پر وار	//
یقینی خطرہ	//
جرم کی آواز	//
جرم کی موت	//
راڈیا کا قتل	//
دو تیر ایک شکار	//
گھناؤنا کھیل	//

نام ناول	قیمت
دہشت کا جہنم	۱۰ رو[illegible]
جہنم سے فرار	//
جان لیوا مخلوق	//
گم شدہ جسم	//
خفیہ کمرہ	//
قاتل کے بال	//
موت کا سفر	//
پانچ پیسے کا کیس	//
دوہرا روپ	//
دعوت کا بھوت	//
منصوبہ ساز	//
چوری کا ہنگامہ	//
گونگا پیغام	//
آدھا چہرہ	//
خوف کی قید	//
زندہ قبرستان	//
قبرستان کی موت	//
خطرے پہ خطرہ	//
قاتل گھرانہ	۱۵ ر[illegible]

گزشتہ ماہ کے ناول

۶۰۸

قاتل گھرانہ

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

قیمت : ۱۵ روپے

۱۸

سنہری چٹان ۲

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

قیمت : ۱۵ روپے

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
592 قاتل کا قاتل انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
593 بھوت کی چوری انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
594 خوشبو کا پھندا انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
595 مکھیوں کے قیدی انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
87 خطوط کا فریب انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
88 خون آلود خنجر انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
89 گمنام ہمدرد انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
90 رے راٹا انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
آئندہ ماہ کے ناول
596 مکان کا شکار انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
597 غار کی قبر انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
598 جوناٹ انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
599 ثبوت انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
91 روبال انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
92 خودکشی کی دعوت انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
93 پرانا ہوا انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
94 آخری ڈاکا انسپکٹر جمشید سیریز 15 روپے
اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد مسلم پورہ ساندہ کلاں، لاہور۔ فون:۔ ۷۲۴۶۳۵۶
برانچ آفس بازار لوہاراں۔ جھنگ صدر — فون:۔ ۳۲۹۵